تدبّرِ قرآن

۱۹

مریم

۱۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ، سورۂ کہف کی ثنیٰ یا بالفاظ دیگر اس کی توام سورہ ہے۔ ان دونوں کے عمود میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ وہی مضمون جو سورہ کہف میں بیان ہوا ہے اس میں بھی بیان ہوا ہے لیکن طریقِ استدلال اور نہج بیان میں فرق ہے۔ اس میں حضرت آدم، نوح اور ابراہیم علیہم السلام کی نسل میں پیدا ہونے والے انبیائے اولوالعزم کے متعلق یہ بات بتائی گئی ہے کہ ان کی دعوت، توحید کی دعوت تھی۔ انھوں نے نماز و زکوٰۃ کا حکم دیا لیکن ان کے پیرو شرک میں مبتلا ہوئے اور نماز و زکوٰۃ ضائع کر کے بدعات و شہوات میں پڑ گئے۔ اور اب جب کہ ان کو ان کے اصل دین کی دعوت دی جا رہی ہے تو اس کی مخالفت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے مقابل میں صبر و استقامت کی تلقین کی گئی ہے اور انجام کار کی کامیابی کی بشارت دی گئی ہے۔ آخر میں مخالفین کی گمراہی کی اصل علت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ اہل ایمان کے مقابل میں اپنی دنیوی کامیابیوں کو اپنے برحق ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ان کے برحق ہونے کی دلیل نہیں بلکہ یہ خدا کی طرف سے ان کے لیے ڈھیل ہے کہ خدا کی حجت ان پر پوری ہو جائے اور جب وہ پکڑے جائیں تو ان کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔

اس میں حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر خاص طور پر نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ اس کی وجہ وہی ہے جس کی طرف ہم پچھلی سورہ میں اشارہ کر چکے ہیں کہ اس دور میں یہود کی طرح نصاریٰ نے بھی در پردہ قریش کی پشت پناہی شروع کر دی تھی۔ اہل کتاب کی اس پشت پناہی سے قریش کو بڑی طاقت حاصل ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب امی ہونے کے سبب سے مذہبی معاملات میں اہل کتاب سے ایک قسم کا حسنِ ظن رکھتے تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ اہل کتاب بھی انہی کے ہم خیال ہیں تو اس سے ان کا حوصلہ بہت بڑھ گیا۔ قرآن نے اہل کتاب کے اس اثر کو باطل کرنے کے لیے ان کی حقیقت واضح کی۔ چنانچہ پچھلے سورہ بنی اسرائیل میں یہود کا بالکل بے بنیاد ہونا واضح کیا ہے۔ اور اس سورہ میں بالکل اسی

انداز میں نصاریٰ کی بے ثباتی دکھائی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ قریش پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ جن کی اپنی کوئی بنیاد نہیں ہے وہ بھلا حق و باطل کے اس معرکے میں ان کے لیے کیا سہارا بن سکیں گے۔

اس تمہید کے بعد اب ہم سورہ کے مطالب کا تجزیہ بھی کیے دیتے ہیں۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱ - ۱۵) سورہ کا آغاز حضرت زکریاؑ کی اس دعا سے ہوتا ہے جو انھوں نے اپنے بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود ایک فرزند کے لیے کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرما کر ان کو حضرت یحییٰؑ کی ولادت کی خوش خبری دی۔ یہ واقعہ تمہید ہے حضرت مریمؑ کے اس واقعہ کی جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی خارق عادت ولادت کو ان کی الوہیت کی دلیل بنایا۔ قرآن نے یہاں حضرت عیسیٰؑ سے پہلے حضرت یحییٰؑ کی ولادت کا ذکر کر کے دکھایا ہے کہ اگر مجرد خارق عادت ولادت ہی کسی کے الٰہ ہونے کی دلیل ہے تو یہ دلیل تو حضرت عیسیٰؑ سے پہلے حضرت یحییٰؑ کے حق میں موجود ہے۔ ان کی ولادت بھی ایک بوڑھے باپ اور ایک بانجھ ماں کے ہاں ہوئی۔ لیکن نہ تو انھوں نے خود الوہیت کا دعویٰ کیا نہ کسی دوسرے نے ان کو الٰہ بنانے کی کوشش کی۔ علاوہ ازیں یہی حضرت زکریاؑ ہیں جنھوں نے حضرت عیسیٰؑ کی والدہ حضرت مریمؑ کی تربیت کی اور یہی حضرت یحییٰؑ ہیں جنھوں نے حسب روایات نصاریٰ، حضرت مسیحؑ کو مسح کیا تو پھر حضرت مسیحؑ ابن اللہ کس طرح بن گئے!

(۱۶ - ۳۶) حضرت مریمؑ کی پاکیزہ زندگی اور ان کے زہد و عبادت کا حوالہ۔ حضرت مسیحؑ کی ان کے ہاں جس طرح ولادت ہوئی اس کی تفصیل — حضرت مسیحؑ نے گہوارے ہی میں جس طرح اپنے بندہ ہونے اور خدا کی طرف سے نماز و زکوٰۃ کی ہدایت پانے کی منادی کی ہے، اس کا تذکرہ اور ان بدبختوں کی حالت پر افسوس جنھوں نے یہ ساری باتیں جانتے بوجھتے اللہ کے ایک فرمانبردار بندے کو الٰہ اور اس کی ایک فرمانبردار بندی کو ابن اللہ کی ماں بنا کر رکھ دیا۔

(۳۷ - ۴۰) حضرت مسیحؑ کی واضح تعلیمات کے باوجود ان کے باب میں نصاریٰ کے باہمی اختلاف پر ان کو ملامت اور ایک ایسے دن کی آمد کی دھمکی جس دن اس سارے اختلاف کا فیصلہ ہونے والا ہے۔

(۴۱ - ۵۰) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو توحید کی جو دعوت دی اور اس کے نتیجہ میں جس طرح انھیں ہجرت کرنی پڑی، اس کا حوالہ۔ پھر اس ہجرت کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑھاپے میں جو اولاد عطا فرمائی اس کا تذکرہ۔

(۵۱ - ۶۳) حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ادریس علیہم السلام کے حالات و خصوصیات کا اجمالی حوالہ کہ یہ آدمؑ و نوحؑ اور ابراہیمؑ و اسرائیلؑ کی ذریت میں اولوالعزم انبیاء گزرے ہیں۔ یہ سب خدا کی ہدایت سے سرفراز اور اس کے برگزیدہ بندے تھے۔ ان کا حال یہ تھا کہ جب خدا کی آیات سنتے تو روتے ہوئے سجدے

ہیں گر پڑتے تھے۔ پھر انہی کی اولاد میں ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنھوں نے نماز و زکوٰۃ سب ضائع کر دی اور اپنی خواہشوں کے پیرو بن گئے۔ یہ لوگ اپنی اس گمراہی کے انجام سے عنقریب دوچار ہوں گے۔ ان کے اندر سے نجات پانے والے وہی بنیں گے جو توبہ اور اصلاح کر لیں گے۔

(۶۴ - ۶۵) حضرت جبرئیل علیہ السلام کی زبان سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و انتظار کی ہدایت اور عجلت سے احتراز کرنے کی تلقین۔

(۶۶ - ۷۲) قیامت کی تکذیب کرنے والوں کو زجر و تنبیہ اور ان کے انجام کی طرف اشارہ۔

(۷۳ - ۸۲) مغروروں اور متکبروں کی طرف سے قرآن کے انذار کے جواب کا حوالہ کہ وہ کہتے ہیں کہ جب قرآن کے ماننے والوں کے مقابل میں ہمارا حال بہتر ہے تو لازماً ہمارا ہی عقیدہ و عمل بھی بہتر ہے۔ قیامت اول تو ہے نہیں اور اگر بالفرض ہوئی تو ہم ان فقیروں سے وہاں بھی بہتر حال میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس باطل ذہنیت کی تردید اور اصل حقیقت سے آگاہی۔

(۸۳ - ۹۶) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و انتظار کی تلقین کہ آپ عذاب کے لیے جلدی مچانے والوں کے مطالبہ سے پریشان نہ ہوں۔ ان مغروروں کا ایک ایک دن گنا جا رہا ہے۔ یہ جن معبودوں پر تکیہ کیے ہوئے ہیں یہ ان کے ذرا بھی کام آنے والے نہیں ہیں۔ قیامت کے دن سرخروئی صرف اہل ایمان کو حاصل ہوگی۔

(۹۷ - ۹۸) آنحضرت صلعم کو ہدایت کہ قرآن انذار و تبشیر کے لیے بہترین چیز ہے۔ اسی کے ذریعہ سے انذار و تبشیر کیجیے۔ جن کے اندر صلاحیت ہوگی وہ اس پر ایمان لائیں گے۔ جو ایمان نہیں لائیں گے وہ اپنا انجام خود دیکھ لیں گے۔ ان کے پیچھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

مطالب کے اس تجزیہ سے سورہ کا مجموعی نظام بالکل واضح ہے۔ اب ہم اللہ کا نام لے کر سورہ کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔ وبیداللہ التوفیق۔

سُوْرَةُ مَرْيَمَ (١٩)

مَكِّيَّةٌ ــــــــــ اٰيَاتُهَا ٩٨

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آیات ١-١٥

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿١﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿٢﴾ اِذْ نَادٰى
رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿٣﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ
الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾ وَاِنِّيْ خِفْتُ
الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ
وَلِيًّا ﴿٥﴾ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ
رَضِيًّا ﴿٦﴾ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ
نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿٧﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ
كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿٨﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ
قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ
شَيْئًا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ
ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى
اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ
وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ

تَقِيًّا ⑬ وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ⑭ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ⑮ ع

ترجمہ آیات ۱ — ۱۵

کٓھٰیٰعٓصٓ ۔ یہ تیرے رب کے اس فضل کی یاددہانی ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کیا۔ جب اس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا۔ اس نے دعا کی اے میرے پروردگار! میرے اندر سے میری ہڈیاں کھوکھلی ہو چکی ہیں اور میرا سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا اور اے میرے رب میں تجھے پکار کے کبھی محروم نہیں رہا۔ میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں کی طرف سے اندیشہ رکھتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے تو تو اپنے پاس سے مجھے ایک وارث بخش جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کی روایات کا بھی۔ اور اے رب! اس کو پسندیدہ اخلاق بنائیو۔ ۱ — ۶

اے زکریا ہم تمھیں ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی نظیر نہیں بنایا۔ اس نے کہا اے میرے خداوند! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، میری بیوی تو بانجھ ہے اور میں خود بڑھاپے کی بے بسی کو پہنچ چکا ہوں! فرمایا، ایسا ہی ہوگا تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ میرے لیے آسان ہے۔ میں نے اس سے پہلے تم کو پیدا کیا درآنحالیکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔ اس نے کہا، اے میرے خداوند! میرے لیے کوئی نشانی ٹھہرا دیجیے۔ فرمایا، تمھارے لیے نشانی یہ ہے کہ تم تین شب و روز لوگوں سے بات نہ کر سکو گے درآنحالیکہ تم بالکل تندرست ہوگے۔ پس وہ محراب عبادت سے نکل کر اپنے لوگوں کے پاس آیا اور ان سے اشارہ سے کہا کہ صبح و شام خدا کی تسبیح کرو۔ ۷ — ۱۱

اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور ہم نے اس کو بچپن ہی میں قوت فیصلہ عطا فرمائی اور خاص اپنے پاس سے سوز و گداز اور پاکیزگی۔ اور وہ نہایت پرہیزگار تھا۔ اور وہ اپنے

والدین کا فرماں بردار تھا، سرکش و نافرمان نہ تھا۔ اس پر سلامتی ہے جس روز وہ پیدا ہوا جس دن وہ مرے گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ ۱۲-۱۵

۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

کٓھٰیٰعٓصٓ (۱)

یہ حروف مقطعات میں سے ہے۔ ان حروف پر مفصل بحث سورۂ بقرہ کے شروع میں دیکھیے۔

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا (۲)

حضرت زکریا کا ذکر خاص

'ذکر' یہاں اسی مفہوم میں ہے جس مفہوم میں آگے حضرت مریم سے لے کر حضرت ادریس تک تمام انبیاء کا ذکر بصیغۂ 'اذکر' ہوا ہے۔ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہے کہ نادانوں نے تو یہ تمام سرگزشتیں فراموش کردیں، یہ تمھیں سنائی جا رہی ہیں تاکہ تم بھی ان سے بہرہ مند ہو اور دوسروں کو بھی یاد دہانی کرو کہ وہ بھی ان سے بہرہ مند ہوں۔ آیت میں 'عَبْدَهٗ' کا لفظ حضرت زکریا کے اختصاص پر دلیل ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ خود 'اپنا بندہ' کہہ کر یاد فرمائے اس کے لیے اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے!

بولائے تو کہ گر بندۂ خویشم خوانی
ز سر خواجگی کون و مکاں برخیزم

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا (۳-۴)

اولاد کے لیے حضرت زکریا کی دعا اور انداز دعا

یہ حضرت زکریا کی دعا ہے جو انھوں نے فرزند کی ولادت کے لیے کی ہے۔ یہ دعا انھوں نے ہیکل میں، جیسا کہ آگے اشارہ آ رہا ہے، غالباً بحالتِ اعتکاف کی ہے۔ فرمایا کہ اس نے چپکے چپکے اپنے رب کو پکارا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کا راز و نیاز کے انداز میں ہونا اس کے اولین آداب میں سے بھی ہے اور اس کی قبولیت کے لیے بہترین سفارش بھی۔ درحقیقت یہی دعائیں ہوتی ہیں جو ریا اور نمائش سے بھی پاک ہوتی ہیں اور انہی کے اندر بندہ اپنے دل کے اصلی راز بھی کھولتا ہے۔ اس وجہ سے دعا کے اس ادب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، صرف اجتماعی دعائیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

مؤثر تمہید

'وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ' کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ میرا ظاہری جسم تو درکنار، میرے تو اندر کی ہڈیاں تک کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ یہ حضرت زکریا نے عرض مدعا سے پہلے اس کے لیے تمہید استوار کی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ ایسی مؤثر تمہید استوار کی ہے کہ اگر سوء ادب پر محمول نہ کیجیے تو عرض کروں کہ یہ خدا کی رحمت پر کمند ڈال دینے والی تمہید ہے۔ حضرت زکریا نے ایک تو اپنے ضعف و ناتوانی کو سفارش میں پیش کیا، دوسرے اپنے ساتھ زندگی بھر

اپنے رب کے معاملے کو۔ فرماتے ہیں کہ اے رب میں کبھی تجھے پکار کے محروم نہیں رہا۔ غور کیجیے کہ جو سائل جس در سے کبھی محروم نہیں لوٹا ہے۔ وہ اس پیری و ناتوانی میں، جب کہ اس کی ہڈیوں تک کی گودخشک ہو چکی ہے۔ اس دروازے سے کس طرح محروم لوٹایا جائے گا۔

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّاۙ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا (۵-۶)

دینی وراثت کے حامل کے لیے دعا

'مَوَالِیَ' سے مراد کسی شخص کے بنی اعمام، بھائی بند اور اس کے نسبتی اعزہ و اقربا ہوتے ہیں۔ حضرت زکریاؑ کے اقربا، معلوم ہوتا ہے کہ اچھے لوگ نہیں تھے، ان کی طرف سے اندیشہ تھا کہ یہ لوگ، ان کی وفات کے بعد ان کی اور آلِ یعقوبؑ کی ان دینی روایات کو قائم نہ رکھ سکیں گے جو اس پاکیزہ خاندان کا اصل سرمایۂ امتیاز ہیں۔ انھیں فکر تھی کہ خاندان میں کوئی ایسا شخص اٹھے جو اس خاندان کے مشن کو زندہ رکھ سکے اور ان روایات کا حامل ہو جو آلِ یعقوب کا اصلی ورثہ ہیں۔ اگرچہ خود پیری و ناتوانی کے آخری مرحلہ میں داخل ہو چکے تھے اور بیوی بانجھ تھیں، جہاں تک ظاہری اسباب و حالات کا تعلق ہے اس آرزو کے بر آنے کی کوئی توقع نہیں تھی، لیکن وہ اس رمز سے آگاہ تھے کہ اسباب و ذرائع خدا کے ہاتھ میں ہیں، خدا اسباب و ذرائع کا غلام نہیں ہے۔ اس وجہ سے انھوں نے دعا فرمائی کہ اے رب اگرچہ اسباب ناپید ہیں لیکن تیرے اختیار میں سب کچھ ہے۔ تو خاص اپنے پاس سے مجھے ایک وارث عنایت فرما جو میری اور آلِ یعقوب کی دینی وراثت کو سنبھال سکے اور اے رب اسے پسندیدہ اخلاق بنائیے، وہ ان کمزوریوں سے پاک ہو جو اب اس خاندان میں در آئی ہیں۔

یٰزَكَرِیَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣ اسْمُهٗ یَحْیٰی ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا (۷)

سچی دعا اور اس کی قبولیت

جب دعا صحیح وقت پر، صحیح مقصد کے لیے سچے جذبے کے ساتھ اور صحیح الفاظ میں کی جائے تو اس میں اور اس کی قبولیت میں کوئی فاصلہ نہیں رہ جاتا۔ اس کے لیے اسباب کے تمام پردے اٹھا دیے جاتے ہیں۔ ہر طرف تاریکی اور مایوسی ہوتی ہے، اسباب و حالات بالکل ناسازگار نظر آتے ہیں، کسی طرف سے بھی امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی لیکن بندہ جب اس امید کے ساتھ اپنے آپ کو اپنے رب کے دروازے پر ڈال دیتا ہے کہ بہر حال میرے لیے یہی دروازہ ہے، میں نے جو کچھ پایا ہے یہیں سے پایا ہے اور جو کچھ پاؤں گا یہیں سے پاؤں گا تو بالآخر اس کے لیے خدا کی رحمت اس گوشہ سے نمودار ہوتی ہے جہاں سے اس کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا اور اس شان سے نمودار ہوتی ہے کہ اسباب و ظواہر کے غلام اس کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ حضرت زکریاؑ کی یہ دعا بھی ٹھیک مقصد کے لیے، ٹھیک وقت پر اور سچے جذبہ کے ساتھ تھی اس وجہ سے الفاظ زبان سے نکلے نہیں کہ اس کی قبولیت کی بشارت نازل ہو گئی۔ فرمایا کہ اے زکریا ہم تمھیں ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔

لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا 'سمی' کے معنی نظیر و مثال کے ہیں۔ اس سورہ میں آگے آیت ۶۵ میں ہے 'هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا' کیا تم خدا کی کسی نظیر سے آشنا ہو۔ یہ حضرت زکریاؑ کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ ہر چند تم بوڑھے ہو اور تمھاری بیوی بانجھ ہے، بوڑھے مرد اور بانجھ بیوی کے ہاں اولاد کی کوئی نظیر موجود نہیں ہے لیکن ہماری مرضی یہی ہے کہ ہم تمھیں ایسی ہی بے نظیر اولاد دیں۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا (۸)

'عِتِيّ' کے معنی ہیں کسی شے کا حد سے متجاوز ہو جانا، قابو اور اختیار سے باہر نکل جانا۔ 'وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا' یعنی اب میں بڑھاپے کی اس حد کو پہنچ چکا ہوں کہ مجھے اپنے اعضا و جوارح اور اعصاب پر قابو نہیں رہ گیا ہے۔

سوال مزید اطمینان کے لیے

یہ حضرت زکریاؑ نے اس بشارت کے باب میں مزید اطمینان حاصل کرنے کے لیے اپنے اس تردد کا اظہار فرمایا جو ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے اس بشارت کے ظہور سے متعلق ان کو لاحق ہوا۔ فرمایا کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود اپنے بڑھاپے کی اس حد کو پہنچ چکا ہوں کہ مجھے اپنے اعصاب پر قابو نہیں رہ گیا ہے، ایسی حالت میں میرے ہاں اولاد کس طرح ہوگی۔

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا (۹)

قرینہ دلیل ہے کہ یہ جواب ہاتف غیب کی زبان سے ہے۔ 'كَذٰلِكَ' کی خبر کا حذف زور اور تاکید پر دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمھارے رب کا فیصلہ یہی ہے، بس یوں ہی ہوگا۔ جس خدا نے عدم محض سے انسان کو وجود بخشا اس کے لیے بوڑھے باپ اور بانجھ ماں سے اولاد پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۚ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا (۱۰)

اطمینانِ قلب کے لیے ایک اور درخواست

یہ حضرت زکریاؑ نے اپنے اطمینانِ قلب کے لیے ایک اور درخواست پیش کر دی۔ یہ بشارت ان کی دلی آرزو کا مظہر اور ان کے لیے بڑی اہمیت رکھنے والی تھی اس وجہ سے انھوں نے چاہا کہ ہر پہلو سے اس پر شرح صدر ہو جائے۔ حضرت زکریاؑ نے یہ بشارت ہاتف غیب سے سنی تھی اس وجہ سے انھیں یہ خیال ہو سکتا تھا کہ ممکن ہے یہ واہمہ کی خلاقی ہو اور اپنے ہی گنبدِ دل کی صدا اس شکل میں سنائی دی ہو۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ ان کو کوئی ایسی نشانی دکھا دی جائے جس سے انھیں پورا اطمینان ہو جائے کہ یہ بشارت رب ہی کی طرف سے ملی ہے، اس میں نفس یا شیطان کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس قسم کی درخواستیں بعض دوسرے انبیاء کی بھی قرآن میں مذکور ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام رویا اور ہاتف غیب کی باتیں قبول کرنے کے معاملے میں بڑی احتیاط برتتے تھے۔ اس سے خدا نخواستہ ان کے ایمان کے بارے میں کوئی شبہ کرنے کی گنجائش نہیں نکلتی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ کی یہ دعا بھی قبول فرمائی اور اس بشارت کے خدائی بشارت ہونے کی نشانی یہ مقرر فرما دی کہ تم تین شبانہ روز مسلسل تسبیح و تہلیل تو کر سکو گے لیکن کوئی اور لفظ زبان سے

نہ نکال سکو گے۔ ظاہر ہے کہ ایک آدمی پر ایسی حالت کا طاری ہو جانا کہ وہ ذکرِ الٰہی تو کر سکے لیکن کوئی اور کلمہ زبان سے نہ نکال سکے، کوئی شیطانی حالت نہیں ہو سکتی، یہ ہو سکتی ہے تو رحمانی حالت ہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ یہ حالت حضرت زکریاؑ پر طاری ہو گئی، وہ محرابِ عبادت سے نکل کر لوگوں میں آئے تو وہ کچھ بول نہیں سکتے تھے۔ صرف اشارے سے انھوں نے لوگوں کو تسبیح و تہلیل میں مشغول رہنے کی ہدایت کی۔

بعض لوگوں نے اَلَّا تُکَلِّمَ کو خبر کے بجائے نہی کے معنی میں لیا ہے۔ آیت کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ حضرت زکریاؑ نے نشانی مانگی تو ان کو حکم ہوا کہ تین رات لگاتار تم کسی سے بات نہ کرو۔ جن حضرات نے آیت کا مطلب یہ لیا ہے انھوں نے نہ تو اس بات پر غور کرنے کی زحمت اٹھائی کہ حضرت زکریاؑ نے کس چیز کی نشانی مانگی تھی اور نہ اس مسئلہ پر غور فرمایا کہ حضرت زکریاؑ کو تین شبانہ روز خاموش رہنے کے حکم میں نشانی ہونے کا کیا پہلو نکلا!

'سَوِیّ' کا مفہوم

'سوی' مرض اور عیب سے بری کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ تم تین شبانہ روز کسی سے بات تو نہ کر سکو گے لیکن یہ حالت کسی مرض یا خرابی کا نتیجہ نہیں ہو گی بلکہ ہر گونہ صحت کے ساتھ محض اللہ کے حکم سے بطور ایک نشانی کے ہو گی جس طرح حضرت موسیٰؑ کے یدِ بیضاء کی نشانی سے متعلق فرمایا ہے کہ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اسی طرح یہاں لفظ سَوِیًّا بطور ایک بدرقہ کے ہے۔ لگاتار یا مسلسل کے معنی میں اس کا استعمال معروف نہیں ہے۔ آگے اسی سورہ میں یہ لفظ آیت ۱۷ میں بھی آیا ہے وہاں یہ صریحاً بھلے چنگے، ہٹے کٹے، تندرست اور مستوی القامت کے معنی ہی میں ہے۔

لیالی، شب و روز دونوں پر حاوی ہے

'لیالی' کا لفظ یہاں شب و روز دونوں پر حاوی ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں یہی مضمون لفظ 'ایام' سے بیان ہوا ہے۔ ایام کا اطلاق بھی شب اور روز دونوں پر ہوتا ہے۔ عربی میں یہ استعمالات معروف ہیں۔

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا (۱۱)

تسبیح کی ہدایت کے اندر رمز

'محراب' سے مراد معبد کا کوئی حجرہ یا برآمدہ ہے۔ آیت سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت زکریاؑ اس دعا کے وقت ہیکل ہی کے کسی گوشہ میں معتکف تھے۔ سورۂ آلِ عمران سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ نماز میں کھڑے تھے کہ یہ بشارت ان پر نازل ہوئی۔ اس کے بعد وہ اپنے لوگوں میں آئے اور اشارے سے ان کو برابر تسبیح و استغفار میں مشغول رہنے کی ہدایت کی۔ اس اشارے کے اندر یہ بات مضمر تھی کہ وہ قدرت کے کسی بہت بڑے راز کے امین ہیں جس کے اظہار کا وقت ابھی نہیں آیا ہے! لوگ خدا کی حمد و تسبیح میں مشغول رہ کر اس کا انتظار کریں اور دیکھیں کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

یٰیَحْیٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا (۱۲)

'کتاب' اور 'حکم' سے مراد

'کتاب' سے مراد ظاہر ہے کہ تورات ہے۔ حضرت یحییٰ پر کوئی الگ کتاب نازل نہیں ہوئی۔ لفظ 'حکم' پر ہم آلِ عمران ۷۹ کے تحت مفصل بحث کر چکے ہیں۔ اس سے مراد حق و باطل میں امتیاز کی قوت و صلاحیت ہے۔

یہی قوت و صلاحیت تمام علم و حکمت کی بنیاد ہے۔ یہ صلاحیت عام حالات میں تو سنِ رشد کے بعد ابھرتی ہے اور چالیس سال کی عمر میں پختہ ہوتی ہے لیکن حضرت یحییٰؑ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہوا کہ ان کو یہ دولت گرانمایہ بچپن ہی میں مل گئی۔

کتاب کو مضبوطی سے پکڑنے کا مفہوم

یہاں غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اس آیت سے پہلے یہ مضمون محذوف ہے کہ بالآخر اللہ تعالیٰ کی بشارت کے مطابق حضرت یحییٰؑ کی ولادت ہوئی، وہ سنِ رشد کو پہنچے، اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور ان کو اپنی کتاب مضبوطی سے پکڑنے کی ہدایت فرمائی۔ 'کتاب کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو'، کا مفہوم یہ ہے کہ شیطان اور اس کے اولیاء اس کتاب کے ابدی دشمن ہیں وہ تم کو اس کتاب سے برگشتہ کرنے کے لیے اپنا پورا زور صرف کردیں گے تو خبردار خوف یا طمع یا کسی چیز سے بھی ڈرا کر یا ورغلا کر تم کو وہ اس سے ہٹانے نہ پائیں۔ چنانچہ حضرت یحییٰؑ کے متعلق معلوم ہے کہ اس کتاب کی خاطر انھوں نے سر کٹوا دیا۔

وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ۙ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا (۱۳-۱۴)

'حنان' کا مفہوم

'حنان' کے معنی محبت، ذوق و شوق اور سوز و گداز کے ہیں۔ یہ لفظ نہایت معروف و متداول الفاظ میں سے ہے اس وجہ سے تعجب ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی طرف، بعض لوگوں نے یہ بات، کس طرح منسوب کردی کہ انھوں نے فرمایا کہ مجھے اس کے معنی معلوم نہیں۔

قلب و روح کی اصل زندگی

یہ سوز و گداز اور یہ محبت ہی انسان کے قلب و روح کی زندگی کی اصل علامت ہے۔ یہ نہ ہو تو انسان انسان نہیں بلکہ پتھر کی ایک مورت ہے۔ اس سوز و گداز میں سے حضرت یحییٰؑ کو، جیسا کہ 'مِنْ لَّدُنَّا' کے الفاظ سے واضح ہے، نہایت وافر حصہ ملا تھا۔ ان کے سوز و گداز اور جوشِ محبتِ الٰہی کا کچھ اندازہ کرنا ہو تو انجیلوں میں ان کے ارشادات پڑھیے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے اقوال کی حرارت آج بھی دلوں کو گرماتی اور روحوں کو تڑپاتی ہے۔

'زکوٰۃ' کا مفہوم

'حنان' کے بعد ان کی صفت میں 'زکوٰۃ' کا لفظ آیا ہے۔ 'زکوٰۃ' کے معنی پاکیزگی اور طہارت کے ہیں۔ اس طہارت سے مراد ظاہر اور باطن دونوں کی طہارت ہے۔ یہ درحقیقت 'حنان' ہی کا پرتو ہے۔ گداز باطنی موجود ہو تو نہ باطن میں کسی اخلاقی و عقائدی آلائش کا اثر باقی رہتا ہے نہ ظاہر میں۔

'تقی' کا مفہوم

'زکوٰۃ' کے بعد 'تقی' کا لفظ ہے۔ پچھلی دونوں صفتوں کا تعلق زیادہ تر انسان کے باطن سے ہے اس لفظ میں ان کے ظاہری اعمال و اخلاق اور کردار کی تعریف ہے کہ نہایت ہی پرہیزگار اور متقی تھے۔ ان کی ساری زندگی ترکِ دنیا کی زندگی تھی۔ انھوں نے توبہ کی منادی اس زور و شور سے کی کہ اس سے دشت و جبل گونج اٹھے۔ ہیکل میں تقریر کرتے تو لوگوں کے دل دہل جاتے لیکن اس دنیا سے ان کا تعلق صرف دینے کے لیے تھا اس سے لیا انھوں نے کچھ بھی نہیں۔ جنگل کے شہد اور اس کی ٹڈیوں پر گزارہ کرتے۔ کمبل کی پوشاک سے تن ڈھانکتے اور جس سر کو چھپانے کے لیے اس دنیا میں کوئی چھت نہیں بنائی اس کو خدا کی کتاب کی خاطر کٹوا کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

ماں باپ کے ساتھ وفاداری

وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُن جَبَّارًا عَصِيًّا۔ یہ ماں باپ کے ساتھ ان کی وفاداری کا بیان ہے کہ باوجودیکہ وہ یہ سمجھ سکتے تھے کہ ان کی ولادت سے لے کر ان کی تعلیم و تربیت تک ہر چیز براہ راست اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہوئی ہے، وہ کسی چیز میں بھی اپنے ماں باپ کے محتاج نہیں ہوئے لیکن وہ اس قسم کی کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ برابر اپنے والدین کے نہایت وفادار اور اطاعت شعار رہے۔ وہ سرکش اور نافرمان نہیں تھے۔

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا (۱۵)

ہر مرحلہ میں مبارک سلامت

یہ فرشتوں کی مبارک سلامت کا حوالہ ہے کہ یہ مردِ حق دنیا میں جس دن آیا قدسیوں نے اس دن مبارک سلامت کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا، جس دن مرا اس دن بھی انھوں نے اَھْلًا وَّسَھْلًا کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور جس دن اٹھایا جائے گا اس دن بھی اسی نعرۂ تحیت کے ساتھ وہ اس کو خوش آمدید کہیں گے۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اس دنیا نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا کیا، خدا کے ہاں ہر مرحلہ میں اس کے ساتھ جو معاملہ ہوا یا ہوگا وہ مبارک سلامت کا ہے۔

۲۔ آگے کا مضمون ___ آیات ۱۶-۳۶

حضرت یحییٰ اور حضرت مسیح کی باہمدگر مشابہت

آگے حضرت مریمؑ، ان کے بطن سے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت اور حضرت عیسیٰؑ کی اصل تعلیم کا تذکرہ ہے۔ اوپر حضرت یحییٰؑ کا ذکر یوں سمجھیے کہ اسی بیان کی تمہید کے طور پر تھا۔ حضرت یحییٰؑ خاندان کے اعتبار سے بھی حضرت عیسیٰؑ کے پیشرو اور شریک ہیں، اور اپنی ولادت کی نوعیت کے پہلو سے بھی بہت بڑی حد تک ان سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ان دونوں کا ذکر ایک ساتھ کر کے اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو اپنی آنکھوں کی پٹی کھولنے کی دعوت دی ہے کہ ایک ہی نسب و حسب کے یکے بعد دیگرے آنے والے دو نبیوں میں آخر یہ عظیم فرق انھوں نے کہاں سے پیدا کر دیا کہ ان میں سے ایک کو خدا بنا کے رکھ دیا درآنحالیکہ دونوں کی ولادت بھی کم و بیش ایک ہی طرح ہوئی اور دونوں کی تعلیم و دعوت بھی مہد سے لے کر لحد تک ایک ہی رہی ___ اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۶-۳۶

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا (۱۶) فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (۱۷) قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا (۱۸) قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا (۱۹)

الربع

قَالَتْ اَنّٰی يَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ
كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَیَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ
رَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ
مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ
يٰلَيْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ
تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّیْۤ
اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِیْ
وَاشْرَبِیْ وَقَرِّیْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِیْۤ
اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ ع فَاَتَتْ
بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾
يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ
بَغِيًّا ﴿۲۸﴾ ج فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ
صَبِيًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ لا
وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ
مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۳۱﴾ ز وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَتِیْ ۫ وَلَمْ يَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾
وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾
ذٰلِكَ عِيْسَی ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾ مَا كَانَ
لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾

ترجمۂ آیات ۱۶ - ۳۶

اور کتاب میں مریم کی سرگزشت کو یاد کرو جب کہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر پورب کی جگہ میں جا بیٹھی۔ پس اس نے اپنے آپ کو ان سے پردے میں کر لیا تو ہم نے اس کے پاس اپنا فرشتہ بھیجا جو اس کے سامنے ایک کامل بشر کی صورت میں نمودار ہوا۔ وہ بولی کہ اگر تم کوئی خدا ترس آدمی ہو تو میں تم سے خدائے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں۔ اس نے کہا میں تو تمھارے رب ہی کا فرستادہ ہوں تاکہ تمھیں ایک پاکیزہ فرزند عطا کروں۔ وہ بولی میرے لڑکا کیسے ہوگا، نہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ لگایا اور نہ میں کوئی چھنال ہوں۔ اس نے کہا یوں ہی ہوگا۔ تیرے رب کا ارشاد ہے کہ یہ میرے لیے آسان ہے۔ اور ہم یہ اس لیے کریں گے کہ (وہ ہمارا رسول ہو) اور ہم اس کو لوگوں کے لیے اپنی ایک نشانی اور اپنی جانب سے ایک رحمت بنائیں۔ اور یہ ایک طے شدہ امر ہے۔ ۱۶-۲۱

پس اس نے اس کا حمل اٹھا لیا اور وہ اس کو لے کر ایک دور کے مقام کو چلی گئی۔ بالآخر یہ ہوا کہ دردِ زہ اس کو کھجور کے تنے کے پاس لے گیا۔ اس وقت اس نے کہا، اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مر کھپ کے بھولی بسری چیز ہو چکی ہوتی! ۲۲-۲۳

پس (کھجور کے) نیچے سے فرشتہ نے اس کو آواز دی کہ مغموم نہ ہو۔ تمھارے پائیں سے تمھارے پروردگار نے ایک چشمہ جاری کر رکھا ہے اور تم کھجور کے تنہ کو اپنی طرف ہلاؤ، تم پر تر و تازہ خرمے جھڑیں گے پس کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ اور اگر کوئی آدمی متعرض ہو تو اس سے اشارے سے کہہ دیجیو کہ میں نے خدائے رحمان کے لیے روزے کی منت مان رکھی ہے تو آج میں کسی انسان سے کوئی بات نہیں کر سکتی۔ ۲۴-۲۶

پس وہ اس کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئی۔ لوگوں نے کہا، مریم! تم نے تو یہ نہایت عجیب حرکت کر ڈالی۔ اے ہارون کی بہن! نہ تمھارا باپ ہی کوئی برا آدمی تھا اور نہ تمھاری ماں ہی کوئی چھنال تھی۔ ۲۷-۲۸

اس نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا ہم اس سے کس طرح بات کریں جو ابھی گود میں بچہ ہے؟ بچے نے جواب دیا، میں اللہ کا بندہ ہوں! اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اور میں جہاں کہیں بھی ہوں اس نے مجھے سرچشمۂ خیر و برکت ٹھہرایا ہے۔ اور جب تک جیوں اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی ہدایت فرمائی ہے اور مجھے ماں کا فرمانبردار بنایا ہے، مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا ہے۔ مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا، جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ ۲۹-۳۳

یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم۔ یہ اصل حقیقت بیان ہوئی ہے جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ خدا کے شایاں نہیں کہ وہ کوئی اولاد بنائے۔ وہ پاک ہے۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اس کو فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ ۳۴-۳۵

اور بے شک اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی تو اسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔ ۳۶۔

۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا (۱۶)

'الکتٰب' سے مراد: 'الکتاب' سے مراد اناجیل ہیں جن میں جستہ جستہ حضرت مریمؑ کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ ہم نے سورۂ آل عمران کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ ان کا حوالہ دیا ہے۔ اس وجہ سے یہاں ہم صرف آیات کے سیاق و سباق کی وضاحت کی حد تک بحث کو محدود رکھیں گے۔

ہیکل میں عورتوں کی عبادت کی جگہ مشرقی سمت میں تھی

'انتباذ' کے معنی لوگوں سے بالکل منقطع ہو کر ایک طرف ہو جانے کے ہیں۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت مریمؑ ہیکل کے مشرقی جانب میں معتکف ہو گئیں۔ مشرقی جانب میں اس وجہ سے کہ ہیکل کا جو حصہ عورتوں کے اعتکاف و عبادت کے لیے خاص تھا وہ مشرقی سمت ہی میں تھا۔ اس عہد کے بیت المقدس کے نقشوں میں عورتوں کی جائے عبادت (WOMEN COURT) کو مشرقی جانب ہی دکھایا گیا ہے۔ نصاریٰ نے اپنا قبلہ جو مشرق کو بنایا اس میں بڑا دخل اسی چیز کو ہے کہ وہ ہیکل کی مشرقی سمت کو اپنی خاص سمت سمجھتے ہیں۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۖ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (۱۷)

حضرت مریمؑ کا امتحان

لوگوں کے اور اپنے درمیان پردہ حائل کر لینا اس بات کا قرینہ ہے کہ وہ اعتکاف میں بیٹھ گئیں۔ اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس اپنا فرشتہ بھیجا جو ایک تندرست و توانا آدمی کی شکل میں ان کے سامنے نمودار ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت مریمؑ کا امتحان لینا منظور تھا کہ فرشتہ بشری روپ میں نمودار ہوا ورنہ حضرات انبیاءؑ کے لیے بھی فرشتوں کے ظہور کی عام شکل یہ نہیں رہی ہے۔ اس حادثہ کا جو اثر حضرت مریمؑ پر جو ابھی فرشتہ اور ہاتف وغیرہ سے ناآشنا تھیں، پڑا ہوگا اس کا اندازہ کرنا کچھ آسان نہیں ہے لیکن اس نازک موقع پر حضرت مریمؑ نے جس کردار کا مظاہرہ کیا وہ بے مثال ہے۔

قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا (۱۸)

حضرت مریمؑ کا بے مثال کردار

انھوں نے بڑے وقار کے ساتھ ظاہر ہونے والی ذات کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تم میں کچھ خدا ترسی ہے تو میں تم سے اپنے آپ کو خدائے رحمان کی پناہ میں دیتی ہوں۔

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا (۱۹)

فرشتے نے کہا جس خدائے رحمان کے واسطہ سے آپ مجھ سے پناہ مانگ رہی ہیں اسی کا بھیجا ہوا تو میں آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ کو ایک پاکیزہ خصائل فرزند عطا کروں۔

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا (۲۰)

'بغی' بدکار اور چھنال عورت کو کہتے ہیں۔

حضرت مریمؑ فرشتہ کی اس بات کو سن کر ہک دھک رہ گئیں۔ انھوں نے فرمایا کہ میرے لڑکا کس طرح پیدا ہوگا، مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور میں کوئی بدکار اور چھنال بھی نہیں ہوں!!

لوقا کی بے سروپا روایتِ نکاح

حضرت مریمؑ کے اس ارشاد سے یہ بات بالکل صاف واضح ہے کہ لوقا میں یہ روایت کہ یوسف نامی کسی شخص سے ان کا نکاح ہوا تھا، بالکل بے سروپا روایت ہے۔ اگر ان کا نکاح ہوا ہوتا تو یہ خبر ان کے لیے ایک نہایت مبارک خوش خبری ہوتی اور وہ مذکورہ الفاظ میں اس پر تشویش اور حیرت کا اظہار کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتیں۔ ہمارے نزدیک لوقا کی یہ روایت یہود کی دراندازی کا مولود فساد ہے اس لیے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی خارق عادت ولادت کے سخت مخالف ہیں۔ ہمارے ہاں جن لوگوں نے اس روایت کو بے سوچے سمجھے نقل کر لیا ہے نعوذ

نے نادانستہ یہود ہی کی مقصد برآری کی ہے۔ حضرت مریمؑ کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ وہ اپنی منت کے مطابق ہیکل کی خدمت کے لیے وقف تھیں اس وجہ سے ان کے نکاح اور بیاہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہیکل کے خدام گھر گرہستی کے تمام علائق سے یک قلم آزاد ہوتے تھے۔ لیکن تھوڑی دیر کے لیے ایک امرِ واقعی کو نظر انداز کر دیجیے اور اس سوال پر غور کیجیے کہ اگر حضرت مریمؑ کسی کے عقدِ نکاح میں تھیں تو ان الفاظ کا کیا موقع و محل تھا جو الفاظ انھوں نے فرمائے؟ یہ الفاظ تو کسی کنواری عفیفہ ہی کی زبان سے موزوں ہو سکتے ہیں، کسی شادی شدہ عورت کی زبان سے تو یہ موزوں نہیں ہو سکتے، علاوہ ازیں حضرت مریمؑ کے خاندان والوں نے جن الفاظ میں ان کو ملامت کی ہے اور جو آگے آرہے ہیں وہ بھی اس صورت میں بالکل بے محل ہو کے رہ جاتے ہیں۔

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا (۲۱)

'وَلِنَجْعَلَهٗ' کا معطوف علیہ یہاں بربنائے قرینہ محذوف ہے۔ اگر اس کو کھول دیجیے تو پوری بات گویا یوں ہوگی کہ تمھارے رب کا ارشاد ہے کہ ہم ایسا اس لیے کریں گے کہ اس کو بنی اسرائیل کے لیے رسول بنائیں اور وہ لوگوں کے لیے ہماری طرف سے ایک نشانی اور رحمت ہو۔

حضرت عیسیٰؑ ایک نشانی ہیں

حضرت عیسیٰؑ کا ایک نشانی ہونا قرآن میں جگہ جگہ مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ انبیاء آیت ۹۱۔ اور مومنون آیت ۵۰۔ ہمارے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خارق عادت ولادت قیامت کی بہت بڑی نشانی ہے۔ نادانوں کو قیامت پر سب سے بڑا شبہ یہی تو ہوتا ہے کہ آخر اسباب کے بغیر لوگ کس طرح دوبارہ پیدا ہو جائیں گے۔ حضرت عیسیٰؑ کا وجود اس شبہ کا جواب ہے کہ ہر چیز اللہ کے کلمہ 'کُن' سے ظہور میں آتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ اسی کلمہ سے وجود میں آئے ہیں، چنانچہ اسی بنیاد پر ان کو انجیل اور قرآن دونوں میں 'کلمۃ اللہ' کہا بھی گیا ہے۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا (۲۲)

'دُور کی جگہ' سے مراد

'قَصِيّ' کے معنی دُور کے ہیں۔ یہاں کوئی تصریح نہیں ہے کہ اس 'دُور کی جگہ' سے کون سی جگہ مراد ہے۔ لیکن انجیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد وہ بیت اللحم چلی گئیں۔ ظاہر ہے کہ حمل کا احساس کرنے کے بعد وہ ایک شدید ذہنی پریشانی اور کرب میں مبتلا ہو گئی ہوں گی۔ اس طرح کے حالات میں آدمی کے لیے اپنا ماحول وحشت انگیز بن جاتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس سے الگ ہو کر کوئی اور مامن تلاش کرے، شاید وہاں سکون حاصل کرنے کی کوئی صورت نکل آئے۔ حضرت مریمؑ کی یہ تدبیر اسی طرح کی ایک تدبیر تھی۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا (۲۳)

'جِذْعٌ' تنہ کو کہتے ہیں اور 'النَّخْلَة' پر الف لام اس بات کا قرینہ ہے کہ کھجور کا یہ درخت پہلے سے ان کے علم میں تھا۔ ممکن ہے اس ذہنی پریشانی کے عالم میں انھیں رؤیا کے ذریعے سے یہ غیبی اشارہ ہوا ہو کہ جب ولادت کا مرحلہ آئے تو وہ فلاں کھجور کے پاس چلی جائیں، وہاں ان کے لیے ضروری لوازم فراہم ہوں گے۔ چنانچہ جب

انھوں نے دردِ زہ کا احساس کیا تو اس تبائے ہوئے درخت کے نیچے چلی گئیں۔

حضرت مریمؑ کے دلی احساسات کا ایک عکس

قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا۔ ذرا تصور کیجیے کیا حال ہوا ہو گا ایک پاکیزہ گھرانے کی ایک کنواری عفیفہ کا جب اس نے اپنے گمان کے مطابق اپنی رسوائی کا یہ سامان اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا ہو گا! یہ فقرہ ان کے اندرونی احساسات کی بالکل صحیح تعبیر ہے۔ انھوں نے فرمایا اے کاش اس فضیحتے سے پہلے ہی میں مرگئی ہوتی، صرف مر ہی نہیں گئی ہوتی بلکہ لوگوں کے حافظہ سے میری یاد بھی محو ہو چکی ہوتی۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا (۲۴)

قرینہ دلیل ہے کہ 'نَادٰی' کا فاعل فرشتہ ہے اور 'مِنْ تَحْتِهَا' میں ضمیر کا مرجع 'نَخْلَة' ہے۔ 'سَرِيّ' چھوٹے چشمہ کو کہتے ہیں۔

امتحان میں کامیاب ہو جانے کے بعد حضرت مریمؑ کو بشارت

حضرت مریمؑ کا غم اس حد کو پہنچ گیا جس کا اظہار اوپر والی آیت سے ہو رہا ہے لیکن اس کے باوجود نہ تو اپنے رب کے سوا کسی اور سے انھوں نے شکوہ کیا اور نہ مایوس ہو کر کوئی غلط قدم اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ کو بس یہی امتحان کرنا منظور تھا۔ اس امتحان میں کامیاب ہو جانے کے بعد دفعۃً خدائے رحمان و رحیم کی رحمت مسکراتی ہوئی اس گوشہ سے نمودار ہوئی جس گوشہ سے اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس مومنہ و قانتہ بندی کے لیے اپنی وہ شانیں دکھائیں جو پوری تاریخ انسانی میں صرف اسی کے لیے ظاہر ہوئیں۔ کوئی اور اس میں اس کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ فرشتے نے درخت کے نیچے سے آواز دی کہ بس اب مغموم و آزردہ نہ ہو۔ غم کے ایام گزر گئے۔ نیچے ایک چشمہ ہے اور یہ کھجور کا درخت ہے جو تمھارے لیے تر و تازہ کھجوریں فراہم کرے گا۔ کھاؤ پیو اور فرزند کے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کرو۔

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا (۲۵)

'جِذْع' درخت کے تنہ کو کہتے ہیں۔ کھجور کے تنہ کو حضرت مریمؑ کا ہلانا محض رحمتِ الٰہی کے ظہور کا ایک بہانہ تھا ورنہ ظاہر ہے کہ ان کی قوتِ بازو اتنی کہاں کہ وہ کھجور کے درخت کو ہلا دیں۔

آیت کا اسلوبِ بیان یہ ظاہر کر رہا ہے کہ جس طرح کوئی شخص اپنے خانساماں کو ناشتہ یا کھانا حاضر کرنے کی ہدایت کرتا ہے اسی طرح تم اس کھجور کے تنہ کو ہاتھ لگانا، یہ تمھارے لیے تازہ اور پکے کھجور حاضر کر دے گا۔

فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا (۲۶)

یعنی کھاؤ پیو اور بچہ کے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کرو اور روزے کی منت مان لو۔ اگر کوئی شخص آ جائے اور کچھ پوچھنا چاہے تو اس سے کہہ دینا کہ میں نے روزے کی منت مان رکھی ہے، میں آج کسی سے بات نہیں کر سکتی۔

خاموشی کا روزہ

یہود کی شریعت میں خاموشی بھی روزے کے شرائط میں تھی۔ اگرچہ آیت میں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ فرشتہ نے حضرت مریمؑ کو روزہ رکھ لینے کی بھی ہدایت کی، لیکن فحوائے کلام سے یہ بات واضح ہے۔ جب فرشتہ ان کو

یہ ہدایت کرتا ہے کہ "اگر کوئی شخص کچھ پوچھے تو اس سے یہ کہدینا کہ میں روزے سے ہوں، کسی سے بات نہیں کر سکتی" تو اس سے آپ سے آپ یہ بات لازم آتی ہے کہ ان کو روزہ رکھنے کی بھی ہدایت ہوئی۔ ورنہ فرشتہ آخر غلط بیانی کی ہدایت کس طرح کر سکتا ہے؟

ممکن ہے یہاں کسی کو یہ شبہ ہو کہ حضرت مریمؑ جس حال میں تھیں اس میں تو عورت کو روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہود کے ہاں مجرد خاموشی کا بھی روزہ تھا اور یہ روزہ ہر حال میں رکھا جا سکتا تھا۔ اسفار یہود میں "خاموش رہو" کی تعبیر اللہ کو یاد رکھنے اور اس کی عبادت کرنے کے لیے جگہ جگہ استعمال ہوئی ہے ملاحظہ ہو زکریا باب ۲-۱۳

'قول' بمعنی اشارہ

ایک بات اس آیت میں بعض لوگوں کو اور کھٹکے گی۔ وہ یہ کہ جب یہ روزہ خاموشی کا روزہ تھا تو یہاں لفظ 'قُوْلِیْ' (کہہ دینا) کے استعمال کا کیا محل تھا؟ پھر تو کوئی لفظ ایسا استعمال ہوتا جس کے معنی اشارہ کرنے کے ہوتے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ عربی میں 'قَالَ' اشارہ کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ 'قال برمحہ' (اس نے اپنے نیزے سے اشارہ کیا) 'قال بیدہ ھکذا' (اس نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا) وغیرہ محاورات عربی میں معروف ہیں۔ آخر الذکر محاورہ تو بعض حدیثوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ۝ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا (۲۷-۲۸)

حضرت مریمؑ کو خاندان والوں کی ملامت

فرشتے سے مذکورہ بالا رہنمائی حاصل کرنے کے بعد حضرت مریمؑ نومولود کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنے خاندان والوں میں واپس آئیں۔ ان کو دیکھتے ہی سب ان پر پل پڑے۔ ہر شخص نے ان کو ملامت کی اور غیرت دلائی کہ جس کا باپ شریف، جس کی ماں عفیفہ اور جو ہارون جیسے نیک آدمی کی بہن ہو، حیف ہے اگر وہ ایسی حرکت کی مرتکب ہو!

ہارون سے یہاں مراد

'ہارون' سے مراد یہاں حضرت موسیٰؑ کے بھائی ہارونؑ نہیں ہیں بلکہ حضرت مریمؑ کے خاندان ہی کے لوگوں میں سے کسی نیک شہرت رکھنے والے شخص کا نام ہے۔ حدیثوں سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا (۲۹)

حضرت مریمؑ چونکہ خاموشی کا روزہ رکھے ہوئے تھیں، زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھیں اسی وجہ سے انھوں نے نومولود کی طرف اشارہ کیا کہ ان تہمتوں کا جواب انہی سے لو، میرے کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ اس عرصہ میں حضرت مریمؑ پر یہ بات واضح ہو چکی ہوگی کہ نومولود اپنا اور ان کا مقدمہ لڑنے کے لیے خدا ہی کے ہاں سے پوری طرح مسلح ہو کر آیا ہے۔ وہ لوگ حضرت مریمؑ کی اس بات سے بہت جز بز ہوئے، بولے کہ ہم تم سے پوچھتے ہیں، اس بچے سے کس طرح بات کریں جو ابھی گہوارے میں ہے!!

حضرت مریمؑ کی براءت کے لیے نشانِ عظیم کا ظہور

جب حضرت مریمؑ کی آزمائش یہاں تک پہنچ گئی اور وہ ہر مرحلہ میں سو فی صدی کامیاب ثابت ہوئیں تو

وقت آ گیا کہ اللہ تعالیٰ اب اپنا اعلان کرا دے کہ وہ اپنے کسی بندے یا بندی کے لیے، جو اس کے امتحان میں کامیاب ہو جائے، اپنی کیا شانیں دکھاتا ہے۔

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ﳴ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۙ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۙ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ؗ وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ۙ وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَ یَوْمَ اَمُوْتُ وَ یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا (۳۰-۳۳)

گہوارے میں حضرت مسیح کے ارشادات

یہ حضرت مسیح کے وہ ارشادات ہیں جو اس موقع پر انھوں نے اپنی اور اپنی والدہ ماجدہ کی براءت میں گہوارے کے اندر سے فرمائے۔ حضرت مریمؑ جس امتحان میں ڈال دی گئی تھیں اس سے پوری عزت اور سرخروئی کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری تھا کہ گود کا بچہ ہی ان کی پاک دامنی اور اپنی وجاہت کی شہادت دے تاکہ کسی کے لیے بھی اس کے بعد لب کشائی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ ہم حضرت مسیح کے ان ارشادات کی وضاحت سورۂ آلِ عمران کی تفسیر میں کر چکے ہیں یہاں صرف اشارات پر کفایت کریں گے۔

عبرانی میں لفظ 'ابن' کا مفہوم

پہلی بات انھوں نے یہ فرمائی کہ 'اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ' میں اللہ کا بندہ ہوں۔ یعنی کوئی میری اس خارق عادت ولادت سے اس غلط فہمی میں نہ مبتلا ہو کہ میں کوئی مافوق بشر ہستی ہوں۔ میں اللہ کا بندہ ہی ہوں۔ یہ قرآن نے ان کے ارشاد 'ابنُ اللّٰه' کی صحیح تعبیر بتائی ہے۔ عبرانی میں 'ابن' کا لفظ بندہ اور بیٹے دونوں کے لیے آتا ہے، موقع و محل سے اس کا تعین کرتے ہیں۔ حضرت مسیح کی واضح تعلیمات کی موجودگی میں اس لفظ کی تاویل میں کسی التباس کی گنجائش نہیں تھی لیکن پال نے اس کو فتنہ کا ذریعہ بنا لیا اور تثلیث کا ایک پورا گورکھ دھندا تیار کر دیا۔ ہم انجیلوں کی روشنی میں اس میتھالوجی کی تردید سورۂ آلِ عمران اور مائدہ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔

تورات پر حکمت کا اضافہ

دوسری بات انھوں نے یہ فرمائی کہ خدا نے مجھے کتاب و نبوت سے سرفراز فرمایا ہے اور میں جہاں کہیں بھی ہوں میرا وجود وہاں کے لیے سراپا خیر و برکت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جہاں تک شریعت کا تعلق ہے تورات ہی کی شریعت پر عامل اور اسی کے داعی اور مجدد تھے۔ البتہ انھوں نے اس پر حکمت کا اضافہ فرمایا۔ یہی حکمت کے دعظ ہیں جو منتشر اور نا تمام حالت میں ہمیں انجیلوں میں ملتے ہیں۔ یہی لعل و گہر ہیں جو وہ اپنی زبانِ مبارک سے ہر دشت و چمن میں برساتے ہوئے گزرتے تھے اور جس دل میں ذرا بھی زندگی کی رمق ہوتی تھی اس کو زندۂ جاوید کر دیتے تھے۔

تمام دین و شریعت کی بنیاد نماز اور زکوٰۃ پر ہے

تیسری بات انھوں نے یہ فرمائی کہ مجھے زندگی بھر کے لیے نماز اور زکوٰۃ کی ہدایت ہوئی ہے۔ دراصل یہی دو چیزیں ہیں جو تمام دین و شریعت کی بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں اس وجہ سے تمام آسمانی شرائع میں سب سے پہلے انہی کا ذکر آتا ہے۔ ان کی ظاہری شکلیں مختلف ادیان میں مختلف رہی ہیں لیکن بندگیٔ رب اور ہمدردیٔ خلق کی روح ان کی ہر شکل میں محفوظ رہی ہے۔ نماز آدمی کو اس کے رب سے صحیح طور پر جوڑتی ہے اور زکوٰۃ سے اس کا تعلق خلق کے ساتھ صحیح طور پر استوار ہوتا ہے۔ انہی دو چیزوں کی استواری پر تمام دین کے قیام کا انحصار

ہے۔ اگر کوئی شخص ان کو ڈھادے تو وہ تمام دین کو ڈھادے گا اگرچہ وہ دین کے نام پر کتنی ہی لاف زنی کرے۔

ماں کی فرمانبرداری

چوتھی بات انھوں نے یہ فرمائی کہ خدا نے مجھے اپنی ماں کا فرمانبردار بنایا ہے، مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا ہے۔ یعنی ہر چند میری ولادت کی نوعیت خاص ہے، میرے اوپر میرے رب کے انعامات بھی خاص ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود میں ایک ماں کا بیٹا اور فرمانبردار بیٹا ہوں۔ خدا کے خاص انعامات کے معنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ میری حیثیت عرفی و بشری میں کوئی فرق آگیا ہے۔ ساتھ ہی یہ حقیقت بھی واضح فرما دی کہ جو اپنے ماں باپ کا فرمانبردار نہیں وہ جبّار و شقی ہے۔ حضرت مسیحؑ کے اس ارشاد سے انجیل کی بعض ان روایات کی تردید ہوتی ہے جن سے یہ گمان گزرتا ہے کہ خدانخواستہ وہ حضرت مریمؑ کا واجبی احترام نہیں کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت مسیحؑ پر دعوائے الوہیت کی تہمت چپکائی گئی ہے تو اس کی تائید فراہم کرنے کے لیے اس قسم کی روایات بھی انجیلوں میں داخل کر دی گئیں۔

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا (۳۳)

ہر مرحلہ میں سلام و تحیت

جس طرح آیت ۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰؑ سے متعلق ان کی زندگی اور موت کے ہر مرحلہ میں سلام و تحیت کی بشارت دی ہے اسی طرح یہ حضرت مسیحؑ نے اپنی ولادت، موت اور بعث کے ہر مرحلہ میں اپنے لیے قدوسیوں کے سلام اور ان کی تحیت کی خبر دی ہے۔ اس آیت سے یہ بات واضح طور پر نکلتی ہے کہ ولادت، موت اور موت کے بعد اٹھائے جانے کے مراحل سے جس طرح ہر بشر گزرتا ہے اور گزرے گا اسی طرح سیدنا مسیحؑ بھی گزرے اور گزریں گے۔ اس باب میں ان سے متعلق محض تفسیری روایات کی بنا پر کوئی ایسی بات فرض کر لینا احتیاط کے بالکل خلاف ہے جس کی کوئی سند قرآن میں نہیں ہے۔

ذٰلِكَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ (۳۴-۳۵)

ایک برمحل جملہ معترضہ بطور تنبیہ

یہ دو آیتیں، حضرت مسیحؑ کے ارشادات کے بیچ میں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور جملہ معترضہ ہیں۔ بالکل برمحل لوگوں کو عام طور پر اور نصاریٰ کو خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ ہے حضرت مسیحؑ کی اصل حقیقت جو انھوں نے خود اپنی زبان سے واضح فرمائی ہے۔

نصاریٰ کی معمہ سازی

قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ 'امتراء' کے اصل معنی بکری کے تھن کو اچھی طرح نچوڑنے کے ہیں۔ یہیں سے یہ لفظ کٹ حجتی کر کے کسی بات کو بتنگڑ بنانے اور اس میں طرح طرح کے اوہام و شکوک پیدا کرنے کے لیے استعمال ہونے لگا۔ فرمایا کہ حضرت مسیحؑ کی اصل حقیقت تو یہ ہے جو اللہ نے بھی بیان فرما دی اور خود حضرت مسیحؑ نے بھی واضح کر دی لیکن عیسائیوں نے اس کو گھس گھس کر افسانہ بنا دیا جس سے خود بھی اوہام میں مبتلا ہوئے اور دوسروں کو بھی مبتلا کر رہے ہیں۔ ہم نصاریٰ کی الٰہیات پر مائدہ ۷۳ کے تحت تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں، اس پر ایک نظر ڈال کر دیکھیے تو اندازہ ہوگا کہ پال نے سیدھی سادی بات کو کس طرح ایک

چیستان اور معمّہ بنا کے رکھ دیا ہے۔

نصاریٰ کا شرک

'مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ' یہ اس شرک کی تردید ہے جس میں عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا فرض کر کے مبتلا ہوئے۔ فرمایا کہ خدا کی صفات کے یہ بات بالکل منافی ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ 'سُبْحٰنَهٗ' وہ اس قسم کی تمام نسبتوں سے بالکل پاک ہے۔ 'اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ'۔ بیٹے کی ضرورت اس کو ہوتی ہے جو اپنے ارادوں اور منصوبوں کو بروئے کار لانے میں کسی کا محتاج ہو۔ خدا کسی کا محتاج نہیں۔ وہ جب کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس کے کلمۂ 'کُن' سے اس کا ہر ارادہ پورا ہو جاتا ہے۔

اس ٹکڑے میں یہ بات بھی مضمر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی خارق عادت ولادت بھی ان کی الوہیت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ بھی خدا کے کلمۂ 'کُن' ہی کا ایک کرشمہ ہے۔ خدا نے چاہا کہ وہ یوں ہی پیدا ہوں تو وہ بن باپ کے کلمہ 'کُن' سے پیدا ہو گئے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (۳۶)

عبرانی میں 'اب' کا صحیح مفہوم

جملۂ معترضہ ختم ہونے کے بعد یہ حضرت عیسیٰؑ کے ارشادات کا آخری ٹکڑا نقل ہوا ہے کہ انھوں نے مزید فرمایا کہ اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی تو اسی کی بندگی کرو، خدا تک پہنچانے والی سیدھی راہ یہی ہے۔ انجیلوں میں حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے یہ جو نقل ہوتا ہے کہ "میرا باپ اور تمھارا باپ" یہ قرآن نے اس کی صحیح تعبیر بتائی ہے۔ عبرانی زبان میں 'اب' باپ اور رب دونوں معنوں میں آتا ہے۔ اس کے صحیح مفہوم کا تعین اس کے محل استعمال سے ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ "میرا باپ اور تمھارا باپ" کے فقرے میں یہ رب ہی کے معنی میں ہو سکتا ہے۔ اگر اس کو 'باپ' کے معنی میں لیا جائے تو پھر حضرت عیسیٰؑ کی کوئی خصوصیت نہیں رہ جاتی بلکہ ساری خدائی اللہ کی اولاد بن جاتی ہے۔

۴۔ آگے کا مضمون —— آیات ۳۷-۴۰

آگے چند آیات میں نصاریٰ کے باہمی اختلافات پر ان کو ملامت اور ایک ایسے دن کی دھمکی ہے جس دن ایک علیم و خبیر خدا کی طرف سے ان کا سارا کچا چٹھا ان کے سامنے آ جائے گا۔ آیات کی تلاوت کیجیے۔

آیات ۳۷-۴۰

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ

الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَیْهَا وَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع۲ ۵

ترجمۂ آیات ۳۷ - ۴۰

پس ان کے اندر سے مختلف فرقوں نے باہم اختلاف کیا۔ تو ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا ایک ہولناک دن کی حاضری کے باعث ہلاکی ہوگی۔ جس دن یہ ہمارے حضور میں حاضر ہوں گے بڑے شنوا اور بڑے بینا ہو جائیں گے لیکن آج یہ ظالم نہایت کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور ان لوگوں کو اس حسرت کے دن سے آگاہ کر دو جب کہ معاملہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور یہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ایمان نہیں لا رہے ہیں۔ بے شک زمین اور روئے زمین پر بسنے والوں کے وارث ہم ہوں گے اور سارے لوگ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے۔ ۳۷-۴۰

۵- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ (۳۷)

نصاریٰ کی گروہ بندیاں

یعنی حضرت مسیح کی اصل حقیقت تو وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی اور یہ اس قدر واضح بات ہے کہ اس میں کسی اختلاف و نزاع کی گنجائش نہیں تھی لیکن عیسائیوں نے اپنی بدبختی سے اس میں اختلاف پیدا کیا۔ اور ان کے اندر بہت سے چھوٹے بڑے فرقے پیدا ہو گئے۔ ان میں سے حق پر صرف وہ تھوڑے سے لوگ قائم رہے جو شمعون کے پیرو تھے۔ یہی لوگ تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایمان لائے اور انہی کی قرآن نے تعریف کی ہے۔ باقی سب جو پال کے پیرو ہوئے وہ مختلف گروہوں میں بٹتے چلے گئے۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ یہ دو فرقے تو مشہور ہی ہیں ان کے علاوہ اور بھی چھوٹے بڑے بہت سے چرچ ان کے اندر ہیں۔

مَشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ سے مراد

مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ سے ہمارے نزدیک حضرات انبیاء کی وہ شہادت مراد ہے جو قیامت کے روز وہ اپنی اپنی امتوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے دیں گے۔ اس شہادت کی پوری تفصیل سورہ مائدہ میں بیان ہوئی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی شہادت کا ضروری حصہ ملاحظہ فرمایئے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ	جب کہ اللہ پوچھے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا
قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ	تم نے لوگوں کو یہ تعلیم دی تھی کہ اللہ کے سوا مجھے
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ	اور میری ماں کو معبود بناؤ؟ وہ کہیں گے تو پاک ہے
لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۖ بِحَقٍّ ۖ اِنْ	میرے لیے یہ کس طرح زیبا تھا کہ میں وہ بات کہوں

كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (المائدۃ: ۱۱۶-۱۱۸)	جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے کہی ہوگی تو تو اسے جانتا ہے۔ جو کچھ میرے جی میں ہے اس کو تو جانتا ہے لیکن جو کچھ تیرے جی میں ہے اس کو میں نہیں جانتا بے شک غیب کا راز داں تو ہی ہے۔ میں نے تو ان سے صرف وہی بات کہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا کہ اللہ ہی کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ میں جب تک ان کے اندر رہا ان پر گواہ رہا۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو ان کا نگران حال تو ہے اور تو ہر چیز سے باخبر ہے۔ اگر تو ان کو سزا دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو بخشے تو تو غالب اور حکیم ہے۔

آیت زیر بحث میں اسی مشہدِ عظیم سے عیسائیوں کو ڈرایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب خود حضرت عیسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ وہ گواہی دلوا دے گا جو مائدہ کی مذکورہ بالا آیات میں بیان ہوئی ہے تو نصاریٰ نہ تو حضرت عیسیٰؑ کو منہ دکھانے کے قابل رہ جائیں گے نہ اللہ تعالیٰ کو۔ پھر تو ان کے لیے ہلاکی اور ماتم کے سوا کوئی اور چیز باقی نہیں رہ جاتی۔

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۳۸)

'اسمع بہ' اور 'ابصر بہ' عربی میں تعجب کے صیغے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آج تو انھیں اصل حقیقت جب سنائی اور سمجھائی جاتی ہے تو نہ اس کو سنتے ہیں نہ اس کو دیکھتے اور سمجھتے ہیں لیکن جب اس مشہدِ عظیم سے ان کو سابقہ پیش آئے گا تو کانوں کے پردے بھی کھل جائیں گے اور آنکھوں کی پٹیاں بھی اتر جائیں گی۔ معلوم ہوگا کہ اس وقت ان سے زیادہ بینا اور شنوا کوئی نہیں ہے، لیکن وہ وقت سننے اور سمجھنے کا نہیں بلکہ سر پیٹنے کا ہوگا۔

'ظالمون' سے یہاں مراد اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے وہ بدقسمت لوگ ہیں جو آنکھ کان رکھتے ہوئے اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتے رہے۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۳۹)

'یوم الحسرۃ' سے مراد

'یوم الحسرۃ' سے مراد وہی شہادتِ عظیم کا دن ہے۔ اس دن آنکھیں تو سب کی کھل جائیں گی لیکن توبہ و اصلاح اور سعی و عمل کے تمام دروازے بند ہو جائیں گے۔ جو لوگ آج غفلت میں پڑے ہوئے ایمان نہیں لا رہے ہیں وہ حسرت سے کہیں گے کہ کاش ان کو دنیا میں پھر جانا نصیب ہو تاکہ وہ ایمان و عمل صالح کی زندگی گزارتے

لیکن ان کی یہ حسرت بس حسرت ہی رہے گی۔ اس دن سارے معاملات کا فیصلہ ہو جائے گا اور ہر ایک اپنے اعمال کے نتائج سے دوچار ہوگا۔

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۔ (۴۰)

یعنی اس دن زمین اور اہل زمین سب کا مالک اور وارث اللہ ہی ہوگا اور سب کی پیشی اسی کے سامنے ہوگی۔ اس دن نہ کوئی کسی کی مدد کر سکے گا اور نہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی کسی کی سفارش کر سکے گا۔

۶۔ آگے کا مضمون —— آیات ۴۱-۶۳

آگے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہم السلام کی سیرت اور ان کی تعلیم و دعوت کا اجمالی حوالہ ہے اور مقصود اس حوالہ سے ایک طرف تو نصاریٰ پر یہ حقیقت واضح کرنا ہے کہ حضرت عیسیٰ سے پہلے جو انبیاء عظام، آدم و نوح اور ابراہیم و اسرائیل علیہم السلام کی نسل سے گزرے ہیں ان سب کی تعلیم و دعوت یہی رہی ہے جو آج اللہ کا رسول تمہارے سامنے پیش کر رہا ہے لیکن تم ایسے ناخلف نکلے کہ تم نے ان نبیوں کی تعلیم ضائع کر دی اور اس کی جگہ بدعتوں اور ضلالتوں میں مبتلا ہو گئے۔ دوسری طرف قریش کو متنبہ کرنا ہے کہ ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کو جن کے ساتھ نسبت اور جن کے دین کے حامل و وارث ہونے کے تم مدعی ہو، ان خرافات سے کوئی تعلق نہیں تھا جن کو تم آج ملت ابراہیم کے نام سے پوج رہے ہو۔ اصل ملت ابراہیم یہ ہے جس کی دعوت تمھیں قرآن دے رہا ہے لیکن تم اس کی تکذیب کر رہے ہو —— اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۴۱-۶۳

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِبْرٰهِيْمَ ۚ إِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ يٰٓأَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰٓأَبَتِ إِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰٓأَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۖ إِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰٓأَبَتِ إِنِّيْٓ أَخَافُ أَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓإِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ

مَلِيًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ
حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ڮ
عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا
نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ
صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ
كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ
نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾ وَاذْكُرْ
فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾
وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ
مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾
وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۤ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ
ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَاۗءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى
عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾ السجدة فَخَلَفَ مِنْۢ
بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ
يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰۗىِٕكَ
يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدْنِۨ الَّتِيْ

جَنّٰتِ عَدۡنِ الَّتِیۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَہٗ بِالۡغَیۡبِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ وَعۡدُہٗ مَاۡتِیًّا ﴿۶۱﴾ لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡہَا لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَ لَہُمۡ رِزۡقُہُمۡ فِیۡہَا بُکۡرَۃً وَّ عَشِیًّا ﴿۶۲﴾ تِلۡکَ الۡجَنَّۃُ الَّتِیۡ نُوۡرِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَنۡ کَانَ تَقِیًّا ﴿۶۳﴾

ترجمۂ آیات ۴۱ — ۶۳

اور کتاب میں ابراہیم کی سرگزشت کو یاد کرو۔ بے شک وہ راست باز اور نبی تھا۔ یاد کرو جب کہ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ! آپ ایسی چیزوں کی پرستش کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں اور نہ وہ کچھ آپ کے کام آنے والی ہیں! اے میرے باپ! میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا ہے تو آپ میری پیروی کریں، میں آپ کو سیدھی راہ دکھاؤں گا۔ اے میرے باپ، شیطان کی پرستش نہ کیجیے۔ شیطان خدائے رحمان کا بڑا ہی نافرمان ہے۔ اے میرے باپ! مجھے ڈر ہے کہ آپ کو خدائے رحمان کا کوئی عذاب آ پکڑے اور آپ شیطان کے ساتھی بن کے رہ جائیں۔ ۴۱-۴۵

وہ بولا، اے ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں سے برگشتہ ہو رہے ہو! اگر تم باز نہ آئے تو میں تمھیں سنگسار کر دوں گا۔ تم مجھ سے ہمیشہ کے لیے دور اور دفع ہو!۔ ۴۶

ابراہیم نے کہا، اچھا میرا سلام! میں آپ کے لیے اپنے رب سے مغفرت مانگوں گا، وہ میرے حال پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں کو اور ان چیزوں کو جن کو آپ لوگ خدا کے ماسوا پوجتے ہیں، چھوڑ کر علیحدہ ہو رہا ہوں اور صرف اپنے رب ہی کی بندگی کروں گا۔ امید ہے کہ اپنے رب کی بندگی کر کے میں محروم نہیں رہوں گا۔ ۴۷-۴۸

پس جب وہ ان کو اور ان چیزوں کو جن کو وہ خدا کے ماسوا پوجتے تھے چھوڑ کر الگ ہو گیا تو ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور ان میں سے ہر ایک کو نبی بنایا اور ان کو اپنے فضل میں سے حصہ

دیا اور ان کو نہایت پائیدار شہرت عطا فرمائی۔ ۴۹-۵۰

اور کتاب میں موسیٰؑ کی سرگزشت کو یاد کرو۔ بے شک وہ برگزیدہ اور رسول اور نبی تھا۔ اور ہم نے اس کو طور کے مبارک کنارے سے آواز دی اور راز و سرگوشی کے لیے اس کو قریب کیا اور ہم نے اپنے فضل سے اس کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنا کر اس کو دیا۔ ۵۱-۵۳

اور کتاب میں اسماعیلؑ کی سرگزشت کو یاد کرو۔ بے شک وہ وعدے کا پکا اور رسول اور نبی تھا۔ وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھا۔ ۵۴-۵۵

اور کتاب میں ادریسؑ کو یاد کرو۔ بے شک وہ راست باز اور نبی تھا۔ اور ہم نے اس کو رتبۂ بلند پر پہنچایا۔ ۵۶-۵۷

یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے نبیوں میں سے، اپنا فضل فرمایا آدمؑ کی اولاد میں سے اور ان لوگوں کی نسل میں سے جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ سوار کرایا اور ابراہیمؑ و اسرائیلؑ کی اولاد میں سے اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت بخشی اور جن کو برگزیدہ کیا۔ جب ان کو خدائے رحمان کی آیتیں سنائی جاتیں تو سجدہ کرتے اور روتے ہوئے گر پڑتے۔ پھر ان کے بعد ان کے ایسے جانشین اٹھے جنھوں نے نماز ضائع کر دی اور خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے تو یہ لوگ عنقریب اپنی گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں گے۔ اس سے صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جو توبہ کریں گے اور ایمان و عمل صالح کی روش اختیار کریں گے۔ یہی لوگ ہوں گے جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرا بھی حق تلفی نہ ہوگی۔ ہمیشگی کے باغ جن کا خدائے رحمان نے اپنے بندوں سے عالمِ غیب میں وعدہ کر رکھا ہے۔ بے شک اس کا وعدہ پورا ہو کے رہے گا۔ یہ اس میں کوئی لغویات نہیں سنیں گے، بس تحیت ہی تحیت ہوگی۔ اس میں صبح و شام ان کا رزق مہیا ہوگا۔ یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے ان کو بنائیں گے جو خدا سے ڈرنے والے ہوں گے۔ ۵۸-۶۳

۷۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۥ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (۴۱)

حضرت ابراہیمؑ کے ذکر کی تقدیم کی وجہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ نبوت و رسالت کے دونوں سلسلوں کے، جو حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسماعیلؑ سے قائم ہوئے، مسلم امام ہیں اس وجہ سے سب سے پہلے انہی کی سرگزشت اور دعوت و تعلیم کا حوالہ دیا تاکہ بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل دونوں پر حجت قائم ہو سکے۔

'الکتاب' سے مراد

'الکتاب' سے مراد عام طور پر ہمارے مفسرین نے قرآن کو لیا ہے۔ اگرچہ اس کا بھی ایک محل ہے لیکن میں نے اس سے کتب سابقہ کو مراد لیا ہے۔ میرے نزدیک یہ لفظ یہاں بھی اور آگے جہاں جہاں بھی انبیاء کے ذکر کے سلسلہ میں آیا ہے بطریق حوالہ ہے۔ یعنی تورات و انجیل کے حوالہ سے یہ یاد دہانی کی گئی ہے کہ تمام جلیل القدر انبیاء کی دعوت اور تعلیم وہی رہی ہے جو قرآن پیش کر رہا ہے۔ اس قرآن کو جھٹلانے والے درحقیقت اپنے انبیاء اور اپنے صحیفوں کی بھی تکذیب کر رہے ہیں۔

اور اگر اس سے قرآن کو مراد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کتاب میں اس کے مخالفین کو ان انبیاء کی سرگزشت سناؤ کہ وہ اس سے سبق حاصل کریں۔ یہ ان کے لیے رحمت و برکت ہے۔ اگر اس سے انھوں نے فائدہ نہ اٹھایا تو خود اپنے کو اللہ کی نعمت سے محروم کریں گے، کسی دوسرے کا کچھ نہیں بگاڑیں گے۔

حضرت ابراہیمؑ کی صدیقیت کے ذکر کا ایک خاص پہلو

ان دونوں صورتوں میں لفظ کا محل تو ضرور بدل جائے گا لیکن مدعائے کلام میں کچھ ایسا فرق واقع نہیں ہوگا۔

یہاں حضرت ابراہیمؑ کی صدیقیت کے پہلو کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اہل کتاب اور مشرکین عرب دونوں کو اس بات پر ملامت کی جا رہی ہے کہ تم حضرت ابراہیمؑ کی وراثت اور ان کی ذریت ہونے کے مدعی تو بنے بیٹھے ہو لیکن حال یہ ہے کہ تم نے ابراہیمؑ کی دعوت اور ان کی تعلیم کو بالکل برباد کر کے اس کی جگہ ایک نیا دین کھڑا کر لیا ہے۔ ابراہیمؑ تمہاری طرح خدا سے بدعہدی اور بے وفائی کرنے والے نہیں تھے بلکہ صداقت شعار، راست باز اور کامل وفادار تھے۔ خدا نے ان کو جن آزمائشوں میں ڈالا ان میں وہ پورے اترے اور ان امتحانوں میں پورے اترنے ہی کے صلہ میں اللہ نے ان کو امتوں کی امامت کے منصب پر سرفراز فرمایا۔ تم اگر ان کی وراثت اور ان کے ساتھ نسبت کے حق دار ہو سکتے ہو تو اس صورت میں ہو سکتے ہو جب کہ پوری راستبازی کے ساتھ اس عہد کو پورا کرو جو ابراہیمؑ کے واسطے سے تم نے خدا سے باندھا ہے۔ اس کے بغیر نہ تم ابراہیمؑ کے ساتھ کسی نسبت کے حق دار ہو اور نہ اس امامت ہی میں تمہارا کوئی حصہ ہے جس کا وعدہ اللہ نے ابراہیمؑ اور ان کی ذریت کے لیے فرمایا۔

سورۂ بقرہ میں حضرت ابراہیمؑ کی اس صدیقیت اور اس کے صلہ و انعام کا یوں ذکر ہوا ہے۔

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ	اور یاد کرو جب کہ ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں
فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ	میں جانچا تو وہ اس نے پوری کر دکھائیں۔ اس کے رب

إِمَامًا ۚ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ۔ (البقرۃ - ۲: ۱۲۴)

نے فرمایا کہ اب میں تمہیں قوموں کا امام بنانے والا ہوں۔ انہوں نے سوال کیا، اور میری ذریت کو بھی؟ فرمایا کہ میرا یہ وعدہ ان سے متعلق نہیں ہے جو اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہوں گے۔

یہاں کلمات سے مراد ظاہر ہے کہ وہی امتحانات ہیں جن میں حضرت ابراہیمؑ مبتلا کیے گئے اور وہ ان میں سو فیصدی کامیاب رہے۔ ان امتحانات کا ذکر قرآن میں تفصیل سے ہوا ہے اور ہم بقرہ کی تفسیر میں ان کا حوالہ دے چکے ہیں۔ انہی امتحانوں میں کامیابی کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو 'صدیق' کے لقب سے نوازا اور قوموں کی امامت کے منصب پر سرفراز فرمایا اور ساتھ ہی حضرت ابراہیمؑ کے سوال کے جواب میں یہ حقیقت بھی واضح فرما دی کہ یہ منصب نام و نسب کے ساتھ وابستہ نہیں ہے بلکہ اعمال و کردار کے ساتھ وابستہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے بھی وہی لوگ اس کے حقدار ٹھہریں گے جو اپنے باپ کی صدیقیت کی لاج رکھیں گے۔ جو اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے اور شرک و کفر کے علمبردار بن جائیں گے ان کے لیے اس میں کوئی حصہ نہیں ہے، خواہ وہ بنی اسحاق میں سے ہوں یا بنی اسماعیل میں سے۔

سورہ مریم کی زیر بحث آیت کے اصلی زور کو سمجھنے کے لیے لفظ 'صدیق' کے ان تمام مضمرات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے اس کے بغیر آگے کے کلام کا اصلی رُخ معین نہ ہو سکے گا۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا ۝ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ۝ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا (۴۲-۴۵)

حضرت ابراہیمؑ کی تقریر اپنے باپ کے سامنے

یہ حضرت ابراہیمؑ کی وہ تقریر ہے جو وحی الٰہی سے سرفراز ہونے کے بعد سب سے پہلے انھوں نے اپنے باپ — آزر — کے سامنے کی ہے۔ اس تقریر میں 'یَا أَبَتِ' (اے میرے باپ) کی تکرار حضرت ابراہیمؑ کی دل سوزی، دردمندی اور استمالت کی دلیل ہے۔ ایک سعادت مند بیٹے کے اندر باپ کی گمراہی سے جو تعلق خاطر اور جو اضطراب ہونا چاہیے وہ فقرے فقرے سے نمایاں ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام ہے نہ کہ چچا کا، جیسا کہ یہود کا دعویٰ ہے اور جس کو بے سوچے سمجھے ہمارے بعض مفسرین نے بھی قبول کر لیا اور پھر سبائیوں نے اس کو ایک فتنہ کا ذریعہ بنا لیا۔ ہم تورات کی اس روایت کی اس کے محل میں تردید کر چکے ہیں[1]۔

اس تقریر کے چند حقائق

توحید کی اس تقریر میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ کو، ایک فطری ترتیب کے ساتھ چند حقائق کی طرف توجہ دلائی ہے۔

سب سے پہلے اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی کہ آخر اپنے ہی ہاتھوں کی گھڑی ہوئی ان پتھر کی مورتوں کو معبود مان کر ان کی پوجا کرتے کا کیا تک ہے؟ کسی کو معبود بنا لینا کوئی شوق اور تفریح کی چیز نہیں ہے۔ اس کا تعلق تو

---

[1] ملاحظہ ہو تدبر قرآن جلد سوم صفحات ۸۸-۸۹

انسان کی سب سے بڑی احتیاج سے ہے۔ انسان خدا کو اس لیے مانتا ہے اور اس کی عبادت کرتا ہے کہ وہ اس کی دعا و فریاد کو سنتا، اس کے دکھ درد کو دیکھتا اور اس کی ہر مشکل میں اس کی دست گیری کرتا ہے۔ آخر یہ آپ کے اپنے ہی ہاتھوں کی گھڑی ہوئی مورتیں جو نہ سنتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں، نہ آپ کے کچھ کام آسکتی ہیں، کس مرض کی دوا ہیں کہ آپ ان کے آگے ڈنڈوت کرتے ہیں۔ یہ گویا شرک کے بدیہی باطل ہونے کی دلیل ہے کہ اس کے باطن سے قطع نظر اس کا ظاہر ہی شہادت دیتا ہے کہ یہ کھلی ہوئی سفاہت اور عقل و فطرت سے بالکل بے جوڑ چیز ہے۔

دوسری حقیقت یہ واضح فرمائی کہ خدا کے معاملہ میں یہ طے کرنا کہ اس کا کوئی شریک ہے یا نہیں اور ہے تو کون ہے، یہ مجرد ظن و گمان رکھنے والی چیز نہیں ہے۔ آدمی ایک خدا کو تو اس لیے مانتا ہے کہ فطرت اور عقل، آفاق اور انفس کے اندر اس کی شہادت موجود ہے اور ہر انسان، جس کی فطرت سلیم ہو، اس کے ماننے پر مضطر ہے لیکن دوسروں کو ماننے کے لیے کیا مجبوری ہے کہ خواہ مخواہ کو ان کو بھی شریکِ خدا بنا کر اپنے سر پر لاد لے۔ اس معاملہ میں اعتماد کی چیز 'العلم' یعنی وہ علم حقیقی ہے جو خدا کی طرف سے وحی کے ذریعہ سے آتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ کو دعوت دی کہ وہ ایسے اہم معاملہ میں مجرد وہم کی پیروی نہ کریں بلکہ ان کی پیروی کریں۔ وہ ان کے سامنے اس علم حقیقی کو پیش کر رہے ہیں جو خدا کی طرف سے ان کے پاس آیا ہے۔ اسی علم سے اس راہ کی طرف رہنمائی ہوگی جو خدا تک پہنچانے والی سیدھی راہ ہے۔ 'سیدھی راہ' یعنی یہ راہ بندے کو ہر واسطہ اور ہر وسیلہ سے بے نیاز کر کے براہ راست خدا تک پہنچانے والی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ یہ راہ توحید کی راہ ہے۔

تیسری حقیقت یہ واضح فرمائی کہ شیطان کو سب سے زیادہ کد اور ضد، جیسا کہ قصۂ آدمؑ و ابلیس سے واضح ہے توحید کی صراطِ مستقیم ہی سے ہے۔ اس نے یہ قسم کھا رکھی ہے کہ وہ ذریتِ آدم کو اس صراطِ مستقیم سے برگشتہ کرنے کے لیے اپنا پورا زور لگا دے گا اور ان کو شرک میں مبتلا کر کے چھوڑے گا۔ خدائے رحمان کے ایسے کھلے ہوئے باغی کی ایسی وفادارانہ اطاعت درحقیقت اس کی عبادت ہے اور بدقسمت ہے وہ انسان جو خدا کو چھوڑ کر شیطان کی عبادت کرے۔

چوتھی حقیقت یہ واضح فرمائی کہ اب تک تو آپ کے لیے ایک عذر تھا کہ خدا کی ہدایت آپ کو نہیں پہنچی تھی لیکن اب جب کہ خدا کی ہدایت آپ کو پہنچ چکی ہے آپ کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا اس وجہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ خدا کی پکڑ میں نہ آجائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر اسی انجام سے نہ دوچار ہوں جو شیطان اور اس کے اولیاء کے لیے مقدر ہے۔

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا (۴۶)

'ملی' مدت العمر اور زمانۂ طویل کے معنی میں آتا ہے۔ ہمارے نزدیک تقدیرِ کلام یوں ہے: 'وَاهْجُرْنِيْ هَجْرًا مَلِيًّا' یعنی میرے سامنے سے دفع ہو، کبھی اپنی شکل مجھے نہ دکھائیو۔

آزر کی برہمی

حضرت ابراہیمؑ کی یہ تقریر سن کر آزر کا غصہ بھڑک اٹھا۔ بولا، ابراہیمؑ! تم میرے معبودوں سے برگشتہ ہو

رہے ہو! اگر تم اس حرکت سے باز نہ آئے تو میں تمھیں سنگ سار کر دوں گا اور اب بہتر یہ ہے کہ تم میری نگاہوں سے دور ہو جاؤ اور کبھی مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ قبائلی زندگی میں جس طرح آقاؤں کو اپنے غلاموں پر غیر محدود اختیارات حاصل ہوتے تھے اسی طرح باپوں کو اپنے بیٹوں اور بیٹیوں پر بالکل غیر محدود اختیارات حاصل تھے۔ وہ ان کو قتل کر دیں، سنگ سار کر دیں یا زندہ درگور کر دیں، کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں تھا۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ڮ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا (۴۷-۴۸)

وداعی سلام

'سَلٰمٌ' یہاں وداعی سلام کے مفہوم میں ہے۔ جس طرح ملاقات کے لیے شائستہ اور بابرکت طریقہ یہ ہے کہ وہ سلام کے ساتھ ہو اسی طرح جدائی کے لیے بھی شائستہ طریقہ یہی ہے۔

'حفی' کا مفہوم

'اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا'۔ 'حَفِی' اس کو کہتے ہیں جو کسی کی بڑی خبر رکھنے والا، اس کے لیے بڑا اہتمام کرنے والا اور اس پر بے نہایت کرم فرمانے والا ہو۔

حضرت ابراہیمؑ نے جب باپ کو اتنا غضب ناک دیکھا تو فرمایا کہ بہتر ہے، اگر آپ کی رائے یہی ہے کہ میں یہاں سے رخصت ہو جاؤں تو میرا سلام لیجیے، میں یہاں سے چلا۔ اب آپ سے تو کچھ کہنے سننے کی گنجائش رہی نہیں لیکن میں اپنے رب سے آپ کے لیے مغفرت کی دعا کروں گا۔ وہ میری بڑی خبر رکھنے والا ہے، مجھے امید ہے وہ میری دعا قبول فرمائے گا۔

باپ کے لیے دردمندی اور حق کے لیے حمیت

باپ کے اس سنگ دلانہ رویہ کے باوجود، حضرت ابراہیمؑ کا اس سے دعائے مغفرت کا وعدہ کرنا ان کی غایت درجہ دردمندی اور رقت قلب کی دلیل ہے۔ قرآن کے دوسرے مقامات سے واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے باپ کے لیے اس وقت تک دعا جاری رکھی جب تک اللہ نے آپ کو اس سے روک نہیں دیا۔

لیکن اس دردمندی کے ساتھ ساتھ حق کی غیرت و حمیت کا جو تقاضا تھا وہ بھی انھوں نے پورا پورا ادا کیا۔ مروت یا خوف سے مغلوب ہو کر اپنی دعوتِ توحید کے معاملہ میں کوئی لچک یا مداہنت گوارا نہیں کی بلکہ چلتے چلاتے صاف صاف سنا دیا کہ میں آپ لوگوں سے بھی کنارہ کش ہوتا ہوں اور آپ لوگوں کے ان دیویوں اور دیوتاؤں سے بھی جن کو آپ لوگ خدا کے ماسوا پوجتے ہیں۔ مزید وضاحت یہ بھی فرما دی کہ میں اپنے رب کے سوا نہ کسی اور کو پکارتا ہوں نہ پکاروں گا اور میں امید رکھتا ہوں کہ اپنے رب کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔

موم کی طرح نرم پتھر کی طرح سخت

حضرت ابراہیمؑ کے اس اعلانِ برأت میں جو زور، جو اعتماد علی اللہ اور خلق سے جو بے نیازی ہے وہ لفظ لفظ سے نمایاں ہے۔ اول تو حضرت ابراہیمؑ نے جمع کا صیغہ 'وَاَعْتَزِلُكُمْ' استعمال کیا ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ انھوں نے صرف آزر ہی سے نہیں بلکہ اس کے تمام حواریوں، ہمنواؤں اور خاندان سے بھی اعلانِ برأت کر دیا۔ اس کے ساتھ 'وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ' کہہ کر ان کے تمام معبودوں کو بھی ان کے ساتھ

شامل کر دیا، گویا انھیں بھی لات مار دی۔ پھر بات کو صرف منفی پہلو ہی سے کہنے پر بس نہیں کیا بلکہ اس کو مثبت پہلو سے بھی آشکارا کر دیا فرمایا کہ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ میں صرف اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے سوا میں کسی اور معبود سے آشنا نہیں۔ آخر میں اپنے رب پر اپنے غیر متزلزل اعتماد کا اظہار فرمایا کہ میں اپنے رب کو پکار کے کبھی محروم نہیں رہا ہوں، امید ہے کہ اس آزمائش میں بھی اس کی نصرت اور رہنمائی میرے ساتھ ہوگی۔ ایک طرف تو وہ نرمی، دوسری طرف یہ سختی! درحقیقت نرمی و سختی کا یہی امتزاج اور ان کی یہی ہم آمیزی ہے جو ایک داعی حق کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ جب تک آدمی موم کی طرح نرم اور پتھر کی طرح سخت نہ ہو وہ حق کی کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتا۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا (۴۹)

هجرت اور اس کی برکات

حضرت ابراہیمؑ کا مذکورہ بالا اعلانِ برأت ہجرت کے ہم معنی تھا چنانچہ اس کے بعد انھوں نے ہجرت فرمائی۔ اس ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت اسحاقؑ اور اس کے بعد حضرت یعقوبؑ عطا فرمائے اور ان میں سے ہر ایک کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کا ذکر آیت میں جس انداز سے ہوا ہے اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت کے ثمرات و برکات میں سے ہیں۔ جو بندہ اپنے گھر در، اپنے باپ چچا اور اپنے اعزا و اقربا سب کو اپنے رب کی خاطر چھوڑتا ہے وہ سزاوار ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنے فضل خاص سے ایک دوسری بزم قدس آراستہ کرے تاکہ دنیا دیکھ لے کہ جو لوگ خدا کی خاطر اپنے کو اجاڑتے ہیں وہ کس شان سے آباد ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے لیے خدا کی یہی شان ظاہر ہوئی۔ ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ ان کو اولاد عطا فرمائی بلکہ ایسی اولاد عطا فرمائی جن سے اس دنیا میں نبوت و رسالت اور رشد و ہدایت کے دو عظیم سلسلے قائم ہو گئے جن کا فیض ہزاروں برس سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ حضرت اسحاقؑ کے ساتھ حضرت یعقوبؑ کا ذکر، درآنحالیکہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے ہیں، یہ ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ باپ، بیٹا، پوتا تینوں نبی۔ ایں خانہ تمام آفتاب است! بلکہ حضرت یوسفؑ کو بھی ملا لیجیے تو انبیاء کا ایک پورا گھرانا آباد ہو جاتا ہے۔ یہ شرف سیدنا ابراہیمؑ کے سوا اور کس کو حاصل ہوا!

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں بادی النظر میں ایک بات کھٹکتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے حضرت اسحاقؑ کا ذکر تو ہوا جو بنی اسرائیل کے سلسلہ کی پہلی کڑی ہیں لیکن سیدنا اسماعیلؑ کا ذکر نہیں ہوا، جن سے بنی اسماعیل کا سلسلہ چلتا ہے، جن کے اندر خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، حالانکہ برکاتِ ہجرت میں سے اولین اور سب سے بڑی برکت، جیسا کہ استاذ امامؒ نے اپنے رسالۂ ذبیح میں ثابت کیا ہے، حضرت اسماعیلؑ ہیں۔ ہمارے نزدیک یہاں حضرت اسماعیلؑ کا ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آگے ان کا ذکر مستقلاً آ رہا ہے۔ اس سورہ کا، جیسا کہ ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں، اصل مخاطب مشرکین عرب ہیں۔ اہل کتاب کا ذکر اس میں تبعاً آیا ہے۔ سورہ کا یہ مزاج مقتضی ہوا کہ حضرت اسماعیلؑ کا ذکر یہاں تبعاً نہ آئے، بلکہ اہتمام کے ساتھ علیحدہ آئے تاکہ اہل عرب کو

پوری طرح متوجہ کر سکے۔

یہ بات بھی نگاہ میں رکھیے کہ حضرت عیسیٰؑ کے ذکر کی تمہید حضرت زکریاؑ کے ذکر سے اٹھائی ہے جن کے ہاں حضرت یحییٰؑ کی ولادت ایسے حالات میں ہوئی کہ حضرت زکریاؑ بڑھاپے کی آخری منزل میں پہنچ چکے تھے اور ان کی بیوی بانجھ تھیں۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کا ذکر کرنے کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا ذکر فرمایا اور معلوم ہے کہ ان کو بھی اولاد بڑھاپے ہی میں ملی۔ چنانچہ قرآن میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو اولاد کی بشارت ملی تو ان کی بیوی نے بالکل اسی طرح اظہارِ تعجب کیا جس طرح حضرت یحییٰؑ کی ولادت کی بشارت ملنے پر حضرت زکریاؑ نے اظہارِ تعجب کیا۔ قرآن نے حضرت عیسیٰؑ کے ذکر کے آگے پیچھے ان دونوں نبیوں کا ذکر کر کے ضمناً گویا یہ رہنمائی بھی دے دی کہ خارقِ عادت ولادت کی مثالیں حضرت عیسیٰؑ سے پہلے بھی موجود رہی ہیں۔ مجرد اسی بنیاد پر کسی کو الوہیت کا درجہ دے دینا محض سفاہت ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا (۵۰)

'رحمت' سے مراد وہ تمام افضال و عنایات اور وہ تمام برکتیں اور رحمتیں ہیں جو حضرت ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ کو از قبیل نبوت و رسالت اور از قسم برکاتِ دنیا حاصل ہوئیں اور جن کی تفصیلات بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہیں۔

'لسانِ صدق' کا مفہوم

'لِسَانَ صِدْقٍ' میں 'لسان' سے مراد ذکر، چرچا اور شہرت ہے۔ لفظ 'صدق' کے اندر رسوخ، پائداری اور استحکام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یہ اسی طرح کی ترکیب ہے جس طرح دوسرے مقام میں 'قَدَمَ صِدْقٍ' کی ترکیب استعمال ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان کی دعوت کو خوب فروغ دیا اور ان کو وہ پائیدار عزت و شہرت حاصل ہوئی جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ اس کی پائیداری کا یہ عالم ہے کہ ہزاروں برس گزر گئے لیکن اس پر کہنگی نہیں آئی۔ سینکڑوں، ہزاروں جلیل القدر انبیاء و مصلحین اس مبارک خانوادے سے اٹھے اور حضرت ابراہیمؑ کے مشن کو زندہ کرتے رہے۔ آخر میں حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے اسی ملتِ ابراہیمؑ پر حضرت سرورِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی جس سے اس عظمت و شہرت کو بقائے دوام حاصل ہو گیا۔ یہ سب کچھ حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کی برکت ہے جس کا حوالہ سورۂ شعراء میں یوں آیا ہے۔ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ - ۸۴۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا (۵۱)

حضرت موسیٰؑ کے لیے مخلَص کا لقب

حضرت ابراہیمؑ کے بعد ان کی ذریت کے اسرائیلی سلسلہ میں، جلیل القدر نبی حضرت موسیٰؑ ہیں۔ ان کے متعلق فرمایا کہ وہ 'مخلَص' اور رسول و نبی تھے۔ ان کا رسول و نبی ہونا تو بالکل واضح ہے اس لیے کہ وہ فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھی رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اور بنی اسرائیل کی طرف بھی۔ البتہ لفظ 'مخلَص' یہاں ان کے ایک خاص وصفِ امتیازی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ 'مخلَص' اس کو کہتے ہیں جو کسی کارِ خاص کے

لیے منتخب و مخصوص کیا گیا ہو۔ لفظ کے اس عام مفہوم کے اعتبار سے تمام انبیاء 'مُخْلَص' ہیں اس لیے کہ وہ ایک خاص خدائی مشن کے لیے منتخب کیے گئے۔ چنانچہ قرآن میں، ان کی شان میں فرمایا بھی ہے کہ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ (ص-۴۶) (ہم نے ان کو ایک خاص مشن یعنی آخرت کی یاددہانی کے لیے منتخب کیا) اس وجہ سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا وہ خاص وصف امتیازی کیا ہے جس کی وجہ سے وہ اس لقب سے ملقب ہوئے جب کہ پورے قرآن میں یہ لقب ان کے سوا کسی اور کے لیے استعمال نہیں ہوا۔ ہمارے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ لفظ حضرت موسیٰؑ کے اس امتیاز و اختصاص کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو ان کو خدا کے ساتھ ہم کلام ہونے کا حاصل ہوا۔ حضرت موسیٰؑ کے اس امتیازی وصف کا ذکر قرآن میں جگہ جگہ ہوا ہے۔ ہم سورۂ نساء کی آیت 'وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا' - ۱۶۴ کے تحت اس پر گفتگو کر چکے ہیں۔ آگے والی آیت بھی اسی مفہوم کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ اس میں فرمایا ہے 'وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا' (ہم نے اس کو اپنی سرگوشی اور راز و نیاز کے لیے اپنے قریب کیا) تقریب و تکلم اور راز و نیاز کے اس مرتبۂ عالی کے لیے صرف حضرت موسیٰؑ ہی خاص کیے گئے اور ان کی اسی خصوصیت کو ظاہر کرنے کے لیے ان کو 'مُخْلَص' کے لقب سے مشرف فرمایا گیا۔

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا (۵۲)

'ایمن' سے مراد

'اَيْمَن' کے معنی داہنے کے بھی ہیں اور مقدس و مبارک کے بھی۔ ہمارے نزدیک یہ یہاں مقدس و مبارک کے معنی میں ہے۔ قرآن کے نظائر سے اسی معنی کی تائید ہوتی ہے۔ آگے سورۂ طٰہٰ میں یہی مضمون یوں بیان ہوا ہے۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ○ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ○ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى (طٰہٰ ۱۱-۱۳)	پس جب وہ اس کے پاس آیا تو اس کو آواز آئی کہ اے موسیٰؑ یہ تو میں تمہارا رب ہوں تو تم اپنے جوتے اتار دو، تم وادی مقدس طویٰ میں ہو اور میں نے تمہیں منتخب کیا تو سنو جو تمہیں وحی کی جا رہی ہے۔

اس آیت سے واضح ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو جو صدا سنائی دی وہ وادی مقدس طویٰ کی سمت سے سنائی دی۔ اس وادی کو تقدس کا یہ درجہ اس وجہ سے حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی جلوہ گاہ ہونے کا شرف بخشا اور یہاں حضرت موسیٰؑ سے اس نے کلام کیا۔ اسی تقدیس کو آیت زیر بحث میں 'اَيْمَن' سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور یہ چیز ایک قابلِ ذکر چیز تھی۔ جہاں تک اس لفظ کے دوسرے معنی کا تعلق ہے طور کی داہنی جانب کی نشان دہی کی کوئی خاص افادیت سمجھ میں نہیں آتی۔

'نجی' کا مفہوم

وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا۔ 'نجی'، راز اور سرگوشی کو بھی کہتے ہیں اور اس شخص کو بھی کہتے ہیں جس سے سرگوشی کے انداز میں بات کی جائے، اور اس کو محرم راز بنایا جائے۔ یہ حضرت موسیٰؑ کے اسی امتیاز خاص کی وضاحت ہے

جس کا ذکر اوپر والی آیت میں ہوا ہے۔ فرمایا کہ ہم نے طور کی مبارک جانب سے اس کو پکارا اور راز و نیاز کے لیے اس کو قریب کیا۔ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے جو کلام کیا اس کو راز و نیاز اور سرگوشی سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاءؑ سے جب کلام کیا ہے تو ہمیشہ اپنے مقرب و معتمد فرشتے حضرت جبرئیل امین کے واسطہ ہی سے کیا ہے، کبھی براہِ راست کلام نہیں کیا۔ یہ شرف صرف حضرت موسیٰؑ کو حاصل ہوا کہ ان سے حضرت جبرئیل کے واسطہ کے بغیر بات کی۔ کوئی تیسرا بیچ میں حائل نہیں ہوا البتہ حضرت موسیٰؑ کو اس موقع پر بھی باوجود اشتیاق کے اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل نہ ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عالمِ ناسوت میں کوئی جن و بشر یہاں تک کہ پہاڑ بھی خدا کی تجلّی کی تاب نہیں لا سکتا۔ یہاں ان باتوں کا کوئی ذکر نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰؑ کے مابین اس موقع پر ہوئیں۔ اس کی تفصیل سورہ طٰہٰ میں آئے گی۔

وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَّحْمَتِنَآ أَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا (٥٣)

حضرت موسیٰؑ پر ایک اور فضلِ خاص۔ ایک مددگار نبی کی بعثت

حضرت موسیٰؑ پر یہ فضلِ خاص بھی ہوا کہ کارِ نبوت کی انجام دہی میں ان کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بھائی حضرت ہارونؑ کو ان کا وزیر اور مددگار بنایا اور ان کی یہ مدد محض رضاکارانہ نہیں بلکہ خدا کے ایک مامور و مسئول نبی کی حیثیت سے تھی۔ کسی رسول کی مدد کے لیے کسی نبی کا وزیر اور شریک کار کی حیثیت سے مقرر کیا جانا ایک امتیازِ خاص ہے جو حضرات انبیائے کرام کی تاریخ میں حضرت موسیٰؑ کے سوا اور کسی کے لیے معلوم نہیں۔ حضرت موسیٰؑ پر فرعون جیسے جبّار کے سامنے فرضِ رسالت کی ادائیگی اور بنی اسرائیل جیسی نکمّی قوم کی اصلاح و تنظیم کی ذمہ داری جب ڈالی گئی تو وہ اس دوہری اور عظیم ذمہ داری سے بہت مضطرب ہوئے اور انھوں نے یہ دعا فرمائی کہ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ أَهْلِيْ ۝ هٰرُوْنَ أَخِي ۝ اشْدُدْ بِهٖٓ أَزْرِيْ ۝ وَأَشْرِكْهُ فِيْٓ أَمْرِيْ ۝ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ۝ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا (طٰہٰ ٢٩-٣٤) (اے رب میرے لیے میرے اہل خاندان میں سے میرے بھائی ہارون کو وزیر مقرر کر دے، اس کے ذریعہ سے میری کمر کو مضبوط کر اور اس کو میری ذمہ داری میں شریک کر تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ تیری تسبیح کر سکیں اور زیادہ سے زیادہ تیرا ذکر پھیلا سکیں) اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی یہ دعا قبول فرمائی اور اس کا ذکر سورۂ طٰہٰ میں ایک عظیم احسان کی حیثیت سے ہوا۔ اسی احسان کی طرف یہاں آیت زیرِ بحث میں اشارہ فرمایا ہے ـــــ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ یہود نے حضرت ہارونؑ کو بدنام کرنے کے لیے اپنے بعض سنگین جرائم کی ذمہ داری ان پر ڈال دی ہے لیکن قرآن نے ان کو ایک معصوم نبی کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِسْمٰعِيْلَ ۫ إِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا (٥٤)

حضرت اسماعیلؑ کا ذکر خاص اہتمام کے ساتھ

اب یہ حضرت ابراہیمؑ کی ذرّیت کے دوسرے سلسلہ کے سربراہ حضرت اسماعیلؑ کا ذکر فرمایا۔ قریش انہی کی نسل سے اور انہی کی ملت کے پیرو ہونے کے مدعی تھے۔ اس سلسلہ میں پہلے رسول اور نبی حضرت اسمٰعیلؑ ہوئے

اور آخری نبی و رسول ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان کے ذکر سے مقصود خاص طور پر مشرکین عرب کو تنبیہ کرنا ہے کہ وہ غور کریں کہ حضرت اسماعیلؑ کا عمل اور ان کا پیام کیا تھا اور یہ ان سے کتنے بعید ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی وراثت کے مدعی ہیں اور اس زعم میں قرآن کی مخالفت کر رہے ہیں درآنحالیکہ وہ سرتاسر ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی ملت کی دعوت ہے۔

حضرت اسماعیلؑ 'صادق الوعد'

ان کی خاص صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وہ وعدے کا سچا اور پکا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ اشارہ اس وعدے کی طرف ہے جو انھوں نے حضرت ابراہیمؑ سے اپنے ذبح کیے جانے سے متعلق کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب ان سے استمزاج کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں تو بتاؤ تمھاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے بے دھڑک جواب دیا کہ آپ کو جو اشارہ ہوا ہے، آپ اس کی تعمیل کیجیے، ان شاء اللہ آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے۔ پھر جب اس وعدے کی تکمیل کا وقت آیا تو انھوں نے بے جھجک اپنی گردن باپ کی چھری کے نیچے دے دی اور قریب تھا کہ چھری چل جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کا ہاتھ روک دیا کہ بس! مقصود امتحان تھا، وہ پورا ہو گیا اور باپ بیٹے دونوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وفاداری اور راست بازی کی سند عطا ہوئی۔

یہ یاد رکھیے کہ 'صَادِقَ الْوَعْدِ' بظاہر مرکب تو صرف دو لفظوں سے ہے لیکن یہ مومن و مسلم کے کردار کی ایک جامع تعبیر ہے۔ اللہ کا جو بندہ اپنے رب سے کیے ہوئے عہد میں راست باز ہے اور اس کی خاطر اپنی گردن کٹوا سکتا ہے اس نے ایمان و اسلام کی معراج حاصل کر لی۔ رہے وہ لوگ جو ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے نام پر محض نسب فروشی اور لاف زنی کر رہے تھے ان کے سامنے قرآن نے یہ آئینہ رکھ دیا ہے کہ وہ اس میں اپنی سیاہ روئی کا مشاہدہ کر لیں!

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۖ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا (۵۵)

حضرت اسماعیلؑ کا خاص مشن

ایمان و اسلام میں حضرت اسمٰعیلؑ کا جو مرتبہ تھا وہ تو اوپر کے ایک ہی لفظ 'صَادِقَ الْوَعْدِ' سے واضح ہو گیا۔ اب ان کے نام لیواؤں کو یہ بات یاد دلائی گئی ہے کہ وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔ نماز اور زکوٰۃ، جیسا کہ ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں، تمام حقوق اللہ اور تمام حقوق العباد کی ایک جامع تعبیر ہے۔ انہی دو چیزوں پر تمام شرائع کی بنیاد ہے جس نے ان کا اہتمام کیا اس نے تمام دین و شریعت کو قائم کیا اور جس نے ان کو ہدم کیا اس نے پورے دین کو ہدم کیا۔

خدا کا کامل العیار بندہ

'وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا' ایک ایسی جامع تعریف ہے کہ اس کے بعد اس پر ایک حرف کے اضافے کی بھی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے۔ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی نگاہوں میں بالکل ٹھیک ٹھیک ویسے ہی تھے جیسا وہ اپنے بندے کے لیے چاہتا ہے کہ وہ ہو۔ تو جس کے لیے خود پروردگار یہ شہادت دے کہ وہ اس کی پسند کے معیار پر پورا اترا اس سے بڑھ کر کامل العیار اور کون ہو سکتا ہے!

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اسلام دشمنی کے جوش میں یہود نے حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیل علیہما السلام کی تاریخ بالکل مسخ کر دی ہے۔ بالخصوص حضرت اسماعیلؑ کی زندگی پر تو انھوں نے اس طرح پردہ ڈال دیا ہے کہ کسی کو ان کا سراغ ہی نہ مل سکے لیکن ہمارے استاذ مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالۂ ذبیح[1] میں ان تمام تحریفات کا پردہ چاک کر کے ان دونوں بزرگ نبیوں کی تاریخ از سر نو زندہ کر دی ہے۔ جو لوگ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام سے متعلق قرآن کے ان بیانات کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ کرنا چاہتے ہوں ہم ان کو مشورہ دیں گے کہ وہ مولاناؒ کی مذکورہ کتاب کا گہری نظر سے ضرور مطالعہ کر ڈالیں۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۙ۫ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (۵۶-۵۷)

حضرت ادریسؑ

حضرت ادریسؑ کے متعلق اسفار یہود اور بائیبل ہسٹری میں کوئی ایسی چیز مجھے نہیں مل سکی جس کی بنیاد پر ان کی نسبت میں کوئی بات اعتماد کے ساتھ کہہ سکوں۔ قدیم و جدید مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے ان کی بنیاد تمام تر قیاسات و مفروضات پر ہے اس وجہ سے اس کا حوالہ دینا بے فائدہ ہے۔ قرآن نے جس انداز سے ان کا ذکر فرمایا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے صحیفوں میں ان کا ذکر موجود تھا اور ان کی نسبت کچھ غلط صحیح روایات بھی ان کے ہاں مشہور تھیں۔ اب یا تو یہ ہوا کہ جس طرح اکثر انبیاء کے نام عربی لب و لہجہ میں آ کر کچھ سے کچھ ہو گئے ہیں اسی طرح حضرت ادریسؑ کا نام بھی بدل گیا ہو یا یہ ہوا کہ تورات کی ابتدائی روایات میں ان کا ذکر موجود رہا ہو لیکن بعد کے نسخوں سے ان کا ذکر غائب ہو گیا ہو۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تورات کئی مرتبہ غائب ہوئی ہے اور کئی مرتبہ زبانی روایات کے ذریعہ سے مرتب ہوئی ہے۔ اس وجہ سے اس کے نسخوں میں اختلاف بھی ہوا اور اس کے اندر برابر کمی بیشی بھی ہوتی رہی ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ قرآن نے جس طرح تورات کے بہت سے گم شدہ یا گم کردہ حقائق کا سراغ دیا ہے اور جس کی بہت سی مثالیں اس کتاب میں گزر چکی ہیں اسی طرح تاریخ انبیاء کے ایک گم گشتہ ورق کا پتہ حضرت ادریسؑ کا ذکر کر کے دیا۔ ان کا کردار بھی دوسرے انبیاء کی طرح پوری انسانیت کے لیے اسوہ اور نمونہ تھا اس وجہ سے قرآن نے صحیح پہلو سے ان کی یاد دہانی فرما دی اور ان کو از سر نو تاریخ میں زندہ کر دیا۔

حضرت ادریسؑ اور حضرت اسماعیلؑ میں وصف اشتراک

ان کی تعریف میں بھی بعینہٖ وہی لفظ وارد ہوا ہے جو اوپر حضرت ابراہیمؑ کی تعریف میں وارد ہوا ہے۔ یعنی 'صدیق'۔ اس لفظ کے مضمرات اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت ادریسؑ کو یہ مقام بہت سے امتحانات سے گزرنے کے بعد ہی حاصل ہوا ہوگا۔ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت ادریسؑ کا ذکر یہاں بھی حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ ہوا ہے اور سورۂ انبیاء میں بھی حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ ہی ہوا ہے۔ اور حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ ان کو بھی صابرین میں شمار کیا گیا ہے اور فرمایا ہے وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ (الانبیاء-۸۵)

---

[1] مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اصل کتاب عربی میں 'الرای الصحیح فی من ھو الذبیح' کے نام سے ہے۔ ہم نے اس کا ترجمہ اردو میں بھی 'ذبیح کون ہے' کے نام سے کر دیا ہے۔

اور اسمٰعیل، ادریس اور ذوالکفل کو یاد کرو، ان میں سے ہر ایک ثابت قدموں میں سے تھا) ان دونوں مقامات پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ان دونوں نبیوں میں بڑی گہری وصفی مماثلت ہے۔ اسی وجہ سے ان کا ذکر ساتھ ساتھ ہوا۔ ان کو صبر اور ثابت قدمی کے بڑے کڑے امتحانات سے گزرنا پڑا اور ان میں پاس ہونے کے صلہ میں ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس مرتبۂ بلند کی سرفرازی حاصل ہوئی جس کا ذکر وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا کے الفاظ سے ہوا ہے۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۚ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۚ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۚ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (۵۸-۵۹)

تمام انبیاء کا مشترک مشن

اب یہاں تمام مذکورہ انبیاء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آدمؑ کی ذریت، نوحؑ کی ذریت، ابراہیمؑ و اسرائیلؑ کی ذریت کے گل سرسبد یہی انبیائے اولوالعزم ہیں۔ ان پر اللہ کا خاص انعام ہوا اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ نے اپنے دین کی ہدایت بخشی اور جن کو نبوت و رسالت کے منصب کے لیے انتخاب فرمایا۔ ان تمام کا مشترک وصف یہ تھا کہ جب خدا کی آیتیں ان کو سنائی جاتیں تو روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے۔ پھر فرمایا کہ ان کے بعد ان کی ذریت میں ایسے ناخلف اٹھے جنھوں نے نماز ضائع کر دی اور خواہشوں کے پیچھے لگ گئے تو یہ عنقریب اپنی اس گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں گے۔

ناخلف جانشینوں کو تنبیہ

درحقیقت یہی وہ اصل مدعا تھا جس کے لیے مذکورہ بالا انبیاء کی سرگزشتیں سنائی گئی ہیں۔ قرآن کے اس وقت کے مخاطب، خواہ مشرکین عرب ہوں یا یہود و نصاریٰ، سب انہی انبیاء میں سے کسی نہ کسی نبی کے نام لیوا تھے اور وہ اس حقیقت کو بھی تسلیم کرتے تھے کہ آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ اور اسرائیلؑ کی ذریت میں خدا کی ہدایت کا سرچشمہ یہی لوگ ہوئے ہیں۔ قرآن نے ان سب کی دعوت اور ان کے کردار و عمل کا حوالہ دے کر ان کے ان ناخلف جانشینوں کے حال پر افسوس کیا ہے جو مدعی تو تھے ابراہیمؑ و یعقوبؑ کی اولاد میں سے ہونے اور موسیٰؑ و مسیحؑ اور اسمٰعیلؑ کی پیروی کے لیکن حال یہ تھا کہ انھوں نے ان بزرگ نبیوں کے سکھائے ہوئے سارے دین کو برباد کر کے رکھ دیا تھا۔

ان انبیاء کے باب میں یہ جو ارشاد ہوا ہے کہ جب ان کو اللہ کی آیات سنائی جاتیں تو وہ روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے، یہ ان کے ان نام لیواؤں پر تعریض ہے جن کا حال اس کے برعکس یہ تھا کہ ان کو قرآن کی آیتیں سنائی جاتیں تو وہ نہایت استکبار اور رعونت کے ساتھ اس کی تکذیب کرتے اور اس کا مذاق اڑاتے۔

'فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ' میں لفظ 'خَلْفٌ' ناخلف کے معنی میں ہے۔ ہم دوسری جگہ 'خَلَفٌ' اور 'خَلْفٌ' کے فرق کی وضاحت کر چکے ہیں کہ 'خَلْفٌ' بسکون لام اچھے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ برے اخلاف

کے لیے آتا ہے۔ ان لوگوں کے ناخلف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کے ساتھ نسبت اور ان کی وراثت کسی کو خاندان اور نسب کی بنا پر حاصل نہیں ہوتی بلکہ ان کی لائی ہوئی ہدایت کے حامل ہونے کی بنا پر حاصل ہوتی ہے۔ ان کا حال یہ تھا کہ انھوں نے نماز برباد کر دی اور شہوات کے غلام بن گئے۔ ظاہر ہے کہ نماز ضائع کر دینے کے بعد وہ دین کا اصل سررشتہ ہی کھو بیٹھے۔ نماز ہی وہ چیز ہے جو اگر صحیح طور پر ادا کی جائے تو بندے کو وہ عہد یاد دلاتی رہتی ہے جو اس نے اپنے رب سے باندھا ہے۔ اگر یہ چیز ضائع کر دی جائے تو آدمی کا شیطان کے ہتھے چڑھ جانا قطعی ہے ـــ یہود و نصاریٰ اور مشرکین نے دین کے اس بنیادی حکم کے ساتھ جو معاملہ کیا اس کی تفصیل سورۂ بقرہ، آل عمران اور انعام وغیرہ میں گزر چکی ہے۔ یہاں دہرانے میں طوالت ہوگی۔

ایک قابلِ توجہ بات ایک بات یہاں قابلِ توجہ ہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ انھوں نے نماز اور زکوٰۃ ضائع کر دی بلکہ فرمایا کہ نماز ضائع کر دی اور شہوات کے پیچھے پڑ گئے حالانکہ اوپر تمام انبیاء کی تعلیم میں نماز اور زکوٰۃ دونوں چیزوں کا ذکر ہے اس وجہ سے ذوق چاہتا ہے کہ یہاں زکوٰۃ کے ضائع کر دینے کا ذکر بھی ہوتا۔ اسلوب کی یہ تبدیلی ایک خاص حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ وہ یہ کہ زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ سے جو چیز انسان کو روکتی ہے وہ درحقیقت یہی اتباع شہوات ہے۔ جو شخص اپنی شہوات کی دلداری میں لگ جاتا ہے وہ پھر ان کا اس طرح غلام بن کے رہ جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے اس کے پاس کوئی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی۔ یہ گویا ترکِ انفاق و زکوٰۃ کے بجائے ان کے اصل موانع کا ذکر فرما دیا کہ یہ موانع ان پر مسلط ہو گئے۔

غی سے مراد نتیجۂ عمل فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا میں عمل سے نتیجۂ عمل مراد ہے۔ وہ اپنی گمراہی سے دوچار ہوں گے یعنی اپنی گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں گے۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ آخرت میں جو چیز ان کے سامنے آئے گی وہ ان کی اپنی بوئی ہوئی فصل کا حاصل ہوگا۔ اس معاملے میں ان کے اوپر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ۝ جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا ۝ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا ۖ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۝ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا (۶۰ - ۶۳)

آخرت میں کام آنے والی چیز یعنی نسب و حسب تو کوئی کام آنے والی چیز ثابت نہیں ہوگا البتہ جو لوگ اپنی غلطیوں سے رجوع کر کے اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں گے وہ جنت میں داخل ہوں گے اور وہ اطمینان رکھیں کہ ان کی ذرا بھی حق تلفی نہیں کی جائے گی بلکہ وہ اپنی ہر نیکی کا بھرپور صلہ پائیں گے۔ ان کو ان کے اعمال کے صلہ میں عالمِ غیب میں ہمیشگی کے باغ ملیں گے۔ یہ خدائے رحمان کا اپنے نیک بندوں سے وعدہ ہے اور اس کا یہ وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ مَأْتِيًّا یعنی خدا کے اس موعود تک خدا کے تمام حق دار بندوں کی لازماً رسائی ہوگی کوئی اس کو وعدۂ فردا سمجھ کر اس کے بارے میں کسی شک میں مبتلا نہ ہو۔

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ' یعنی آج جو غوغا اور طوفان مخالفتِ حق اور اہلِ حق کے خلاف برپا ہے یہ سب وہاں نابود ہو جائے گا۔ وہاں کوئی لغو بات کانوں میں نہیں پڑے گی۔ ہر طرف مبارک سلامت اور تحیت و تہنیت کے تبادلے ہو رہے ہوں گے۔ اہلِ جنت بھی اپنی کامیابی و فتحمندی پر ایک دوسرے کو مبارک باد دیں گے اور ملائکہ بھی ان کی فیروز مندی پر ان کا خیر مقدم سلام کے ساتھ کریں گے۔

ہر طرف مبارک سلامت

وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا ' صبح و شام سے ظاہر ہے کہ جنت کے صبح و شام مراد ہیں جن کی حقیقت جنت ہی میں معلوم ہوگی اور اہلِ ایمان کے لیے اصلی رزق خدا کا دیدار، اس کا سلام و پیغام اور اس کا التفات و اکرام ہے۔ یہ چیز بھی ان کو وہاں برابر حاصل ہوگی۔ اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم یہاں بعض احادیث نقل کرتے جن میں یہ مضمون نہایت خوبی سے واضح ہوا ہے۔ لفظ رزق انوار و برکاتِ الٰہی اور نفحاتِ روح و ریحان کے لیے قرآن میں بعض اور مقامات میں بھی استعمال ہوا ہے مثلاً آلِ عمران آیت ۳۷ میں۔ اور یہ تعبیر دوسرے آسمانی صحیفوں میں بھی موجود ہے۔

اہلِ جنت کے لیے اصلی رزق

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِیًّا ' فرمایا کہ اس جنت کا حق دار ہم اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو بنائیں گے جو خدا سے ڈرنے والے اور اس کے حدود و قیود کا احترام کرنے والے ہوں گے۔ ہر مدعی اور ہر بوالہوس اس کا حق دار نہیں بن جائے گا۔ یہ فقرہ ان لوگوں پر تعریض ہے جنھوں نے خدا کا سارا دین تو تاراج کر کے رکھ دیا تھا لیکن اپنے زعم میں جنت کے پشتینی ٹھیکے دار بنے بیٹھے تھے۔

جنت کے لیے پشتینی ٹھیکیداروں کو تنبیہ

۸- آگے کا مضمون ——— آیات ۶۴-۹۸

آگے خاتمۂ سورہ کی آیات ہیں۔ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل امین کی زبانی مخالفین کے مقابل میں صبر و استقامت کی تلقین ہے۔ پھر مخالفین کو ان کے انکارِ قیامت پر توبیخ ہے۔ خاص طور پر ان کی اس ذہنیت پر شدت کے ساتھ ضرب لگائی گئی ہے کہ آج اہلِ ایمان کے بالمقابل ان کو جو دنیوی برتری حاصل ہے اس کو وہ اپنے برحق ہونے کی دلیل سمجھے بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں کہ بالفرض قیامت ہوئی تو وہ اپنے مزعومہ شرکا و شفعاء کی بدولت وہاں بھی اونچا مقام حاصل کریں گے۔ آخر میں حضورؐ کو لوگوں کے مطالبۂ عذاب سے بے پروا ہو کر قرآن کے ذریعے سے انذار و تبشیر کی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ یہ ہر مرحلہ میں اتمامِ حجت کے تمام لوازم سے آراستہ ہے تو تم اسی کے ذریعے سے انذار و تبشیر کرو، جن کے اندر خوفِ خدا ہے وہ اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ رہے وہ لوگ جو ضدی اور جھگڑالو ہیں تو ان کو ان کے انجام سے آگاہ کر دو۔ اگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے تو وہ اس ضد کے انجام سے خود دوچار ہوں گے، تم ان کی ذمہ داری سے بری ہو ——— اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

خاتمۂ سورہ

آیات ۶۴-۹۸

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا
بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾ وَ
يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿۶۶﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ
الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿۶۷﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ
وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿۶۸﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ
مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿۶۹﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ
بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿۷۰﴾ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى
رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿۷۱﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا
جِثِيًّا ﴿۷۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا
قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿۷۴﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ
فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا
الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ
جُنْدًا ﴿۷۵﴾ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ
خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ
بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ
عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ

الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوا
مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ
وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ ع ۵ ۸
تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ
نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ
جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَّا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ وقف لازم
عَهْدًا ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَّقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا وقف لازم
إِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ
الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ أَن دَعَوْا لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا يَنبَغِي لِلرَّحْمَٰنِ
أَن يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ إِن كُلُّ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَٰنِ
عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَّقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
فَرْدًا ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ
الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ
وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هَلْ
تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾ ع ۶ ۱۲ ۹

ترجمہ آیات ۶۴ - ۹۸

اور ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے۔ ہمارے آگے اور پیچھے اور جو کچھ اس کے
درمیان ہے سب اسی کے اختیار میں ہے اور آپ کا رب کسی چیز کو بھولنے والا نہیں ہے۔ آسمانوں
اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک وہی ہے تو اسی کی بندگی کرو اور اسی کی بندگی

پوجتے رہو۔ کیا تم اس کی کسی اور نظیر سے آشنا ہو! ۶۴-۶۵

اور انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مر جاؤں گا تو پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا! کیا یہ انسان اس بات کو نہیں جانتا کہ ہم نے اس کو اس سے پہلے پیدا کیا درآنحالیکہ وہ کچھ بھی نہ تھا! پس تیرے رب کی قسم! ہم ان کو بھی اور شیطانوں کو بھی ضرور اکٹھا کریں گے پھر ہم ان کو جہنم کے گرد اس طرح حاضر کریں گے کہ وہ دوزانو بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ پھر ہم ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو چھانٹ کر الگ کریں گے جو خدائے رحمان سے سب سے زیادہ سرکشی کرنے والے رہے ہوں گے۔ پھر ہم ان لوگوں کے سب سے زیادہ جاننے والے ہوں گے جو اس جہنم میں داخل ہونے کے سب سے زیادہ سزاوار ہوں گے (اور ان کو حکم دیں گے) کہ تم میں سے ہر ایک کو بہر حال اس میں داخل ہونا ہے۔ یہ تیرے رب کے اوپر ایک طے شدہ امر واجب ہے۔ ۶۶-۷۱

پھر ہم ان لوگوں کو نجات بخشیں گے جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا ہو گا اور اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والوں کو اسی میں گھٹنوں بیٹھے چھوڑ دیں گے۔ ۷۲

اور جب ان کو ہماری واضح آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کر رکھی ہے وہ ایمان لانے والوں سے سوال کرتے ہیں کہ فریقین میں سے اپنے مرتبہ اور سوسائٹی کے اعتبار سے کون بڑھ کر ہے؟ اور ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قومیں ہلاک کر چھوڑیں جو ان سے ساز و سامان اور شان و شوکت میں کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں۔ ان سے کہہ دو کہ جو لوگ گمراہی میں پڑے رہتے ہیں تو خدائے رحمان کی شان یہی ہے کہ ان کی رسی اچھی طرح دراز کرے۔ یہاں تک کہ جب وہ دیکھ لیں گے اس چیز کو جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے خواہ عذاب دنیا یا قیامت —— ان کو پتہ چل جائے گا کہ درجے کے اعتبار سے کون بدتر اور حمائتیوں کے اعتبار سے کون کمزور تر ہے۔ ۷۳-۷۵

اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے جو ہدایت کی راہ اختیار کرتے ہیں اور باقی رہنے والے اعمالِ صالحہ اجر کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں اور مآل کار کے اعتبار سے بھی خوش انجام ہیں۔ ۷۶

بھلا دیکھا تم نے اس کو جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور دعویٰ کیا کہ میں آخرت میں بھی مال اور اولاد سے نوازا جاؤں گا؟ کیا اس نے غیب میں جھانک کر دیکھ لیا ہے یا خدائے رحمان سے کوئی عہد کرالیا ہے! ہرگز نہیں، جو کچھ وہ بکتا ہے ہم اس کو نوٹ کر رکھیں گے اور اس کے عذاب میں مزید اضافہ کریں گے اور جن چیزوں کا وہ مدعی ہے اس کے وارث ہم بنیں گے اور وہ ہمارے پاس یکہ و تنہا حاضر ہوگا۔ ۷۷۔ ۸۰

اور انھوں نے اللہ کے ماسوا معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے پشت پناہ بنیں۔ ہرگز نہیں، وہ ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور ان کے عدو بنیں گے۔ ۸۱-۸۲

تم نے دیکھا نہیں کہ ہم نے کافروں پر شیاطین کو چھوڑ دیا ہے، وہ انھیں خوب خوب اکسا رہے ہیں۔ تو تم ان کے فیصلے کے لیے جلدی نہ کرو۔ ہم ان کے لیے اچھی طرح گنتی کر رہے ہیں۔ ۸۳-۸۴

یاد کرو جس دن ہم خدا ترسوں کو خدائے رحمان کی طرف وفد و وفد لے جائیں گے اور مجرموں کو جہنم کے گھاٹ کی طرف ہانکیں گے پیاسے۔ اس دن کسی کو شفاعت کا اختیار نہیں ہوگا مگر اس کو جس نے اللہ کے پاس کوئی عہد حاصل کر لیا۔ ۸۵۔ ۸۷

اور کہتے ہیں کہ خدائے رحمان نے اولاد بنا رکھی ہے۔ یہ تم نے ایسی سنگین بات کہی ہے کہ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ دھماکے کے ساتھ گر پڑیں کہ انھوں نے خدا کی طرف اولاد کی نسبت کی۔ اور یہ بات خدا کے شایان نہیں ہے کہ وہ اولاد بنائے۔ آسمانوں

اور زمین میں، جو بھی ہیں سب خدائے رحمان کے حضور بندے ہی کی حیثیت سے حاضر ہوں گے۔ سب کا اس نے احاطہ کر رکھا ہے اور اچھی طرح گن رکھا ہے اور ان میں سے ہر ایک اس کے حضور یکہ و تنہا حاضر ہو گا۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے خدائے رحمان مہر و محبت پیدا کر دے گا۔ ۸۸-۹۶

پس ہم نے اس کتاب کو تمھاری زبان میں اس لیے سہل و سازگار بنایا کہ تم خدا ترسوں کو بشارت پہنچا دو اور جھگڑالو قوم کو آگاہی سنا دو۔ اور ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہم نے ہلاک کر چھوڑا۔ کیا تم ان میں سے کسی کو محسوس کرتے ہو یا ان کی کوئی آہٹ سنتے ہو! ۹۷-۹۸

۹۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ۝ (۶۴-۶۵)

وسط کلام میں حضرت جبریلؑ کی طرف سے ایک تلقین

یہ کلام حضرت جبریلؑ امین کی طرف سے ہے جس میں انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و استقامت کی تلقین بھی فرمائی ہے اور اپنی اور دوسرے ملائکہ کی حیثیت بھی واضح فرما دی کہ ہم اپنے اختیار سے کچھ کرنے کے مجاز نہیں ہیں، ہمارا کام صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری ہے۔ اس تلقین صبر اور اس وضاحت کا ایک خاص موقع و محل ہے۔ وہ یہ کہ حق و باطل کی کشمکش کے اس مرحلہ میں مخالفین کے بالمقابل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے واحد سہارا بس وحی الٰہی کا سہارا تھا۔ اسی آسمانی کمک سے مشکلات میں آپ کو تقویت و رہنمائی بھی حاصل ہوتی تھی اور اسی کے ذریعے سے مخالفین کے نت نئے اعتراضات کا جواب اور ان کے اٹھائے ہوئے فتنوں کا توڑ بھی ہوتا تھا۔ اس وجہ سے قدرتی طور پر آنحضرتؐ کو اس مرحلہ میں نہایت بے چینی کے ساتھ حضرت جبریلؑ کا، جو وحی الٰہی لانے کا ذریعہ تھے، انتظار رہتا۔ آنحضرتؐ کی یہ بے چینی حالات کا لازمی تقاضا تھی۔ جو مجاہد دشمنوں کی دل بادل فوج کے مقابل میں محاذ پر ہو اس کو مرکز سے رہنمائی کا انتظار ہر وقت رہتا ہے تاکہ اس کا کوئی قدم غلط نہ اٹھ جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ہر کام اس کی حکمت و مصلحت کے تحت ہوتا ہے جس کو صرف وہی جانتا ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرتؐ کو اس بے چینی پر قرآن میں جگہ جگہ صبر و انتظار کی تلقین کی گئی ہے کہ اپنے موقف پر ڈٹے رہو، جلدی نہ کرو، جس رہنمائی اور مدد کی ضرورت ہو گی وہ اپنے وقت پر اللہ نازل فرمائے گا۔ یہی مضمون سورۂ طٰہٰ میں یوں وارد ہوا ہے۔ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ

يُقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ؗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (۱۱۴ - طٰہٰ) (اور قرآن کے لیے، اس کی وحی اپنی طرف تمام کیے جانے سے پہلے، جلدی نہ کرو اور دعا کرتے رہو کہ اے میرے رب، میرے علم میں افزونی فرما) یہ مضمون قرآن میں دوسرے مقامات میں بھی آیا ہے لیکن یہاں یہ حضرت جبریلؑ امین کی زبان سے ادا ہوا ہے جس سے اس کی بلاغت میں بڑا اضافہ ہو گیا ہے۔ ہم اس کے بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت جبریلؑ کی معذرت

اس میں پہلی قابلِ توجہ چیز تو یہ ہے کہ یہ حضرت جبریلؑ امین کی طرف سے آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک نوع کی معذرت ہے کہ اگر ہم جلدی جلدی، آپ کے شوق و انتظار کی تسکین کے لیے، وحی لے کر نہیں اترتے تو اس میں ہماری کسی کوتاہی کو دخل نہیں ہے بلکہ ہمارا اترنا تمام تر اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ہے۔ جب تک اس کا حکم نہ ہو نہ ہم اتر سکتے ہیں اور نہ ہم آپ کے پاس کوئی وحی لا سکتے ہیں۔ اس معاملے میں ہمیں کوئی دخل نہیں ہے۔ ہم صرف اس کے احکام کی بجا آوری پر مامور ہیں۔

حضرت جبریلؑ اور ملائکہ کی اصل حیثیت

دوسری چیز قابلِ توجہ یہ ہے کہ اس سے حضرت جبریلؑ امین اور پورے زمرۂ ملائکہ کی حیثیت واضح ہو گئی کہ ان کے تمام پیش و عقب اور جو کچھ ان کے مابین ہے سب پر اللہ تعالیٰ کی نگرانی اور اس کا مکمل کنٹرول ہے۔ مجال نہیں کہ کوئی سرِ مو اپنے دائرہ سے تجاوز کر سکے یا کوئی اقدام اپنے ارادے سے کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو فراموش کرنے والا بھی نہیں ہے کہ کوئی اس کی بھول چوک سے فائدہ اٹھا کر کسی معاملے میں اپنی آزادیِ رائے استعمال کر کے اس کی پکڑ سے محفوظ رہ سکے ــــ فرشتوں کی اس حیثیت کا واضح ہونا ان مشرکینِ عرب کی حماقت پر ضرب لگانے کے لیے ضروری تھا جو فرشتوں کی پوجا کر کے یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ اگر قیامت ہوئی تو یہ خدا کی بیٹیاں اپنے باپ سے کہہ سن کے ان کو بخشوا ہی لیں گی۔ ان بے وقوف لوگوں کو حضرت جبریلؑ کا یہ بیان سنا کر آگاہ کر دیا گیا کہ جب ربِّ ذوالجلال کی بارگاہ میں جبریلؑ امین کی، جو تمام زمرۂ ملائکہ کے گل سرسبد ہیں، بے بسی کا یہ حال ہے تو تا بہ دیگراں چہ رسد!

مشرکین کی حماقت پر ایک کاری ضرب

آنحضرت صلعم کو اطمینان دہانی

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا میں ایک اور پہلو کی طرف بھی ذہن جاتا ہے۔ وہ یہ کہ پیغمبرؐ کو اطمینان دہانی ہے کہ اگر وحیِ الٰہی میں کبھی دیر ہو تو یہ اطمینان رکھیے کہ یہ دیر کسی حکمت و مصلحت پر مبنی ہے اس لیے کہ آپ کا رب کسی چیز کو بھولنے والا نہیں ہے، وہ آپ کے تمام حالات و مسائل سے باخبر اور ایک ایک دعا و مناجات کو یاد رکھے ہوئے ہے۔ اس کا اندیشہ نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کو بھول جائے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا

لفظ 'سمی' آیت ۷ میں گزر چکا ہے۔ اس کے معنی نظیر اور مثیل کے ہیں۔

آنحضرت صلعم کو تلقینِ صبر

یہ آیت حضرت جبریلؑ کے قول کا جزو بھی ہو سکتی ہے اور بطریق تضمین اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبریلؑ امین کے قول کی تکمیل بھی۔ اس قسم کی تضمین کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ہیں۔ ایک مثال سورۂ کہف میں بھی گزر چکی ہے۔ ان دونوں شکلوں میں سے جو شکل بھی اختیار کیجیے فرق صرف متکلم میں ہو گا، کلام کے مدعا میں کوئی فرق نہ ہو گا۔ اور متکلم کا فرق بھی محض ظاہری ہو گا اس لیے کہ حضرت جبریلؑ جو بات بھی فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم

ہی سے فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ در باب وحی تم اپنا عذر واضح کر دو چنانچہ انھوں نے واضح فرما دیا۔

میرا رجحان پہلے قول کی طرف ہے۔ یعنی حضرت جبریل نے آنحضرت کو صبر اور انتظار کی تلقین فرمائی کہ آپ کا معاملہ کسی ایسی ویسی ذات سے نہیں بلکہ تمام آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کے رب کے ساتھ ہے تو اسی کی بندگی کیجیے اور اس کی بندگی پر پورے استقلال و پامردی سے جمے رہیے۔ قرینہ دلیل ہے کہ یہاں لفظ 'عبادت' اپنے وسیع مفہوم یعنی عبادت اور اطاعت، دونوں پر مشتمل ہے۔ اس لفظ کی یہ حقیقت ہم تفسیر سورۂ فاتحہ میں واضح کر چکے ہیں۔ آیت ۴۴ میں بھی یہ لفظ اطاعت کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ لفظ 'اصطبار' میں 'صبر' کے بالمقابل زیادہ زور ہے۔ عربیت کے اس قاعدے کو یاد رکھیے کہ حروف کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلیل ہوتی ہے۔ اور 'صبر' یا 'اصطبار' کے بعد اگر 'لِ' ہو تو یہ انتظار کے مفہوم پر بھی متضمن ہوتا ہے۔ ہم نے لفظ کے ان مضمرات کو ترجمہ میں کھولنے کی کوشش کی ہے لیکن عربی زبان کے یہ نازک پہلو اردو کی گرفت میں مشکل ہی سے آتے ہیں۔ سورۂ طٰہٰ میں بھی یہ مضمون آئے گا وہاں ان شاء اللہ ہم اس پر مزید روشنی ڈالیں گے۔

'صبر' اور 'اصطبار' کا مفہوم

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا یعنی جب خدا کا کوئی نظیر و مثیل اور ثانی نہیں تو کون ہے جو اس کے ارادوں میں مزاحم ہو سکے یا اس کا ہاتھ پکڑ سکے۔ آپ اپنا کام کیے جائیے وہ ہر مشکل کو آسان کرے گا اور اپنے ہر ارادے کو بروئے کار لائے گا۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا (۶۶)

منکرین قیامت کے متناقض خیالات کی تردید

حضرت جبریل کا کلام تمام ہوا۔ اب یہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہو رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و استقامت کی تلقین کے بعد اب یہ مخالفین کے اصل سبب تکذیب کا خود ان کے الفاظ میں حوالہ دے کر آگے اس کی تردید آ رہی ہے۔ یہاں لفظ 'انسان' اگرچہ عام ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ اس سے مراد مشرکین عرب ہی ہیں جو قیامت کو ایک مستبعد چیز سمجھ کر اس کی تکذیب کرتے تھے۔ عام لفظ سے بات کہنے میں یہ بلاغت ہے کہ گویا وہ لائق التفات نہیں اس وجہ سے عام صیغہ سے بات کہہ دی گئی۔

قیامت کے باب میں مشرکین عرب کا موقف، جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں، صریح انکار کا نہیں تھا بلکہ وہ ایک قسم کے تناقض میں مبتلا تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو زندہ کرنے والا اور مارنے والا تو مانتے تھے لیکن اس بات کو بہت مستبعد سمجھتے تھے کہ مر کھپ جانے کے بعد سارے لوگ پھر زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اور سب کا حساب کتاب ہو گا۔ ان کے امراء و اغنیاء اس غلط فہمی میں بھی مبتلا تھے کہ بالفرض قیامت ہوئی تو وہ وہاں بھی وہی کچھ پائیں گے جو ان کو یہاں حاصل ہے۔ پھر سب سے زیادہ اعتماد ان کو اپنے دیویوں دیوتاؤں پر تھا، وہ فرشتوں کو خدا کی چہیتی بیٹیاں مان کر ان کی پرستش کرتے تھے اور ان کا زعم یہ تھا کہ اگر قیامت ہوئی اور حساب و کتاب سے سابقہ پیش آیا تو ان کے یہ معبود ان کو خدا سے چھڑا لیں گے۔ مشرکین کے ان متناقض خیالات کو سامنے رکھیے تب قرآن کے آگے کے مباحث سمجھ میں آئیں گے۔

أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا (۶۷)

ایک بدیہی تناقضِ ذہنی

یہ اسی تناقض ذہنی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جب یہ انسان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ خدا نے اس کو عدم محض سے وجود بخشا تو آخر اس کو یہ بات کیوں مستبعد معلوم ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد وہ اس کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرے۔ جب وہ 'کچھ نہیں' سے پیدا کر سکتا ہے تو 'کچھ ہے' سے دوبارہ پیدا کر دینا اس کے لیے کیوں مشکل ہو جائے گا۔

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا (۶۸)

'شیاطین' سے شیاطین جن و انس دونوں مراد ہیں

'شیاطین' سے مراد یہاں قرینہ دلیل ہے کہ شیاطین جن بھی ہیں اور شیاطین انس بھی۔ عربوں کے متعلق ہم دوسرے مقام میں ذکر کر چکے ہیں کہ وہ بہت سے جنوں کی بھی پرستش کرتے تھے۔ اسی طرح ان کے گمراہ لیڈروں نے بھی ان کو گمراہ کیا اور انھوں نے آنکھ بند کر کے ان کی پیروی کی اور جب اللہ کے رسول نے ان کو آنکھیں کھولنے کی دعوت دی تو اس کے درپے آزار ہو گئے۔

'جثیّ' کا مفہوم

'جثیّ' جاث کی جمع ہے۔ 'جثا جثوا' کے معنی دوزانو اور اکڑوں بیٹھنے کے ہیں۔ یہ نشست مجرموں کی نشست ہے۔ جس طرح مجرم اپنا فیصلہ سننے کے لیے کسی حکمران کے سامنے بیٹھتے ہیں اسی طرح کی غلامانہ اور محکومانہ نشست کے لیے یہ لفظ آتا ہے۔

مجرموں کی نشست جہنم کے اردگرد

اب یہ پوری تاکید کے ساتھ قسم کھا کر فرمایا کہ تیرے رب کی قسم، ہم ان کو اور ان تمام شیاطین کو جن کی انھوں نے عبادت اور اطاعت کی اور ان کے ان تمام گمراہ لیڈروں کو جن کی انھوں نے پیروی کی، سب کو جہنم کے اردگرد اس طرح اکٹھا کریں گے کہ وہ مجرموں کی طرح دوزانو بیٹھے ہوئے اپنے فیصلہ کا انتظار کریں گے کہ کس کے لیے جہنم کے کس وارڈ میں جانے کا حکم ہوتا ہے۔

ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا (۶۹)

دنیا میں ضلالت کے قائد آخرت میں جہنم کے قائد

فرمایا کہ اس کے بعد ہم ہر گروہ اور ہر پارٹی کے ان لیڈروں کو ان کے اندر سے چھانٹ کر الگ کریں گے جو خدا اور اس کے رسول کے سب سے زیادہ مخالف اور اس کے خلاف تحریکیں چلانے والے رہے ہیں۔ ان کو چھانٹ کر اس لیے الگ کیا جائے گا کہ جس طرح انھوں نے دنیا میں لوگوں کو گمراہ کرنے کی مہم میں ان کی قیادت کی اسی طرح اب پیرؤں کو جہنم میں لے جانے کے لیے بھی ان کی پیشوائی کریں۔ وہ آگے آگے ہوں گے اور ان کے پیرو پیچھے پیچھے اور جو جہنم کے جس طبقہ کا سزاوار ہو گا وہ اس میں داخل ہو گا۔

ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا (۷۰)

مشرکین کے تصورِ شفاعت پر تعریض

فرمایا کہ اس وقت اس بات کے جاننے والے کہ کون اس جہنم میں داخل ہونے کا سب سے زیادہ سزاوار ہے، کس کو سب سے پہلے داخل ہونا چاہیے اور کس طبقہ میں داخل ہونا چاہیے، صرف ہم ہوں گے۔ کوئی دوسرا ان باتوں کا ہم سے زیادہ جاننے والا نہیں ہو گا کہ ہمیں کسی کے بارے میں اس سے مشورہ لینے کی ضرورت پیش آئے یا

کوئی کسی کے باب میں یہ کہنے کی پوزیشن میں ہو کہ وہ اس سے زیادہ ہم سے باخبر ہے اس وجہ سے اس کے معاملے میں اس کی سفارش درخور اعتنا ہے —— یہ مشرکین کے غلط عقیدۂ شفاعت پر ایک لطیف تعریض ہے کہ خدا کے ہاں کسی کے لیے سفارش تو وہ کر سکے جو کسی کے بارے میں خدا سے زیادہ واقف ہونے کا دعویٰ کر سکے۔ آخر ایسا بزخود غلط کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے یہ کہہ سکے کہ فلاں کو آپ نہیں جانتے، میں جانتا ہوں، وہ بڑا نیک آدمی ہے، اس وجہ سے اس کو کچھ نہ کہیے بلکہ سیدھے جنت میں بھیج دیجیے!

وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا (۷۱)

'حتم' کا مفہوم — مجرمین سے خطاب

'حتم' کے معنی واجب اور لازم کے ہیں۔ اور ضمیر خطاب کے مخاطب وہی مجرمین ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔ اوپر کی بات بصیغۂ غائب کہی گئی ہے اور یہ بات ان کو مخاطب کر کے ارشاد ہوئی۔ ان دونوں اسلوبوں کے الگ الگ فائدے ہیں۔ جس طرح غائب کا اسلوب عدم التفات پر دلیل ہوتا ہے اسی طرح خطاب کا اسلوب شدتِ عتاب پر دلیل ہوتا ہے۔ قرآن مجید اور کلام عرب میں اس کی مثالیں بہت ہیں کہ غائب کا اسلوب کلام دفعۃً خطاب کے اسلوب میں بدل گیا ہے[1]۔ یہاں بھی اسی نوع کی تبدیلی ہوئی ہے۔ چونکہ مقصود شدتِ غضب کا اظہار ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ ان مجرموں کو خطاب کر کے فرمائے گا کہ اب تمھارے لیے داد و فریاد اور عذر و معذرت کا وقت گزر گیا، اب تم میں سے بلا استثناء ہر ایک کو اس جہنم میں اترنا ہے۔ ساتھ ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا کہ یہ امر بالکل قطعی اور فیصل شدہ ہے، اس کو تمھارے رب نے اپنے اوپر لازم ٹھہرا لیا ہے۔ ایک دن تم اپنے دشمنوں کا یہ انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔

صرف مجرم جہنم پر وارد ہوں گے

آیت کی یہ تاویل بالکل واضح ہے لیکن ہمارے مفسرین نے اس کا مخاطب تمام بنی نوع انسان کو مان لیا ہے، چنانچہ وہ ہر شخص کے لیے، خواہ نیک ہو یا بد، جہنم سے گزرنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ بس اتنی خیریت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جہنم پر پل صراط کے نام سے ایک پل ہوگا جس پر سے نیک لوگ تو گزر جائیں گے، البتہ وہ لوگ جہنم میں پڑے چھوڑ دیے جائیں گے جو برے ہوں گے۔ یہ غلط فہمی مفسرین کو صرف اسلوب کلام کے نہ سمجھنے کے سبب سے ہوئی ہے اور ہم نے دیکھا ہے کہ ان کی اکثر لغزشیں اسی چیز کا نتیجہ ہیں۔ تعجب ہے کہ اتنی سخت بات کہتے ہوئے ان حضرات کو قرآن کی وہ آیت یاد نہیں آئی جو سورۂ انبیاء میں نیکوکاروں سے متعلق وارد ہے۔ فرمایا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ	بے شک جن کے لیے ہمارا اچھا وعدہ ہو چکا ہے وہ اس
أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝ لَا يَسْمَعُونَ	جہنم سے دور رکھے جائیں گے، وہ اس کا کھٹکا بھی نہیں
حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ۝	سنیں گے اور وہ اپنی چاہت کی نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان
لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ	کو سب سے بڑی گھبراہٹ کی ساعت غمگین نہیں کرے گی
الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ	اور فرشتے اس بشارت کے ساتھ ان کا خیر مقدم کریں گے کہ

[1] ملاحظہ ہو اسی سورہ کی آیت ۸۹۔

تُوْعَدُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۱۰۱-۱۰۳) یہ ہے آپ لوگوں کا وہ دن جس کا وعدہ کیے جا رہے تھے۔

تاویل کی اس قسم کی غلطیوں سے محفوظ رہنے کے لیے قرآن پر تدبر کرنے والوں کو ہمارا مشورہ یہ ہے کہ وہ استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب 'اسالیب القرآن' کا گہری نظر سے مطالعہ کر ڈالیں۔

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا (۷۲)

اہل تقویٰ کے ساتھ معاملہ

'ثُمَّ' ترتیب کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ پہلے ظالموں سے نمٹے گا، ان کو واصل جہنم کرنے کے بعد ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوگا جو اس سے ڈرتے رہے۔ فرمایا کہ پھر ہم ان لوگوں کو نجات دیں گے جو ہم سے ڈرتے رہے اور ظالموں کو اسی جہنم میں اکڑوں بیٹھے چھوڑ دیں گے۔ 'نجات دیں گے' سے مراد یہ نہیں ہے کہ جہنم سے نجات دیں گے۔ جہنم کی تو اہل تقویٰ کو، جیسا کہ اوپر گزرا، ہوا بھی نہیں لگنے پائے گی۔ یہاں 'نجات دینے' سے مراد ان تمام ہموم و افکار اور اس تشویش و انتظار سے نجات دینا ہے جن سے بہرحال منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے تک اہل حق کو بھی سابقہ پیش آنا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

'وَنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا' میں لفظ 'جِثِيّ' کی تحقیق اوپر گزر چکی ہے۔ 'جِثِيّ' ان کو کہتے ہیں جو مجرموں کی طرح اپنی قسمت کے فیصلے کے انتظار میں دوزانو بیٹھے ہوئے ہوں۔ اوپر والی آیت میں تو اس کا محل استعمال بالکل واضح ہے لیکن یہاں اس کا استعمال کھٹکتا ہے اس لیے کہ 'فِيْهَا' کا قرینہ دلیل ہے کہ یہ ان کی جہنم کے اندر کی حالت بیان ہو رہی ہے لیکن اس کے اندر تو ان کے رونے چلانے کا ذکر ہونا چاہیے، جیسا کہ دوسرے مقامات میں ہے، نہ کہ اکڑوں بیٹھنے کا۔ اس مشکل سے بچنے کے لیے اس کا مفہوم ہمارے مفسرین اور مترجموں نے بدل دیا ہے لیکن یہ تبدیلی لغت سے تجاوز کی نوعیت کی ہے اس وجہ سے ہم کو اس سے اتفاق نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک یہ حالت بیان تو ہوئی ہے جہنم کے اندر ہی کی لیکن یہ بالکل ابتدائی مرحلہ کی بات ہے جب کہ وہ فیصلۂ الٰہی کے بعد جہنم کے داروغوں کے حوالہ کیے جائیں گے اور اکڑوں بیٹھے عذاب کے دروازے کے کھلنے کے منتظر ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ کے داروغوں کے حوالہ کر کے اسی حالت میں چھوڑ کر ان سے بے التفات ہو جائے گا اور اس کے بعد ان کے لیے عذاب کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا (۷۳)

مغروروں کی ذہنیت

یہ ان مغروروں کی ذہنیت واضح کی جا رہی ہے کہ جب ان کو جزا و سزا اور عذاب دنیا و آخرت سے آگاہ کرنے والی نہایت واضح، مبنی بر دلائل آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو بڑی دیدہ دلیری سے وہ اہل ایمان سے یہ معارضہ کرتے ہیں کہ بتاؤ مرتبہ و مقام، جاہ و منصب، اعوان و انصار، مجلس اور سوسائٹی کے اعتبار سے تمہارا درجہ اونچا ہے یا ہمارا؟ اگر ہمارا درجہ اونچا ہے، اور بالبداہت اونچا ہے، تو ہم کیونکر باور کر لیں کہ ہم خدا کے غضب کے سزاوار ہیں اور ہم پر کوئی عذاب آنے والا ہے! ہم تو دیکھتے ہیں کہ خدا کی نظروں میں ہم تم سے زیادہ عزت

رکھنے والے ہیں کہ اس نے ہم کو یہ کچھ دے رکھا ہے اور تم ان ساری چیزوں سے محروم ہو!

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِءْيًا (۷۴)

'قرن' کے معنی ایک دور کے لوگ، امت اور قوم۔ 'رءی' کے معنی نمود، منظر، شان و شوکت۔

مغروروں کے معارضہ کا جواب

ان معارضہ کرنے والوں کے جواب میں فرمایا کہ اسباب و سامان اور شان و شوکت کی زیادتی نہ تو کسی قوم کے خدا کے چہیتی ہونے کی دلیل ہے اور نہ یہ چیزیں خدا کی پکڑ سے بچانے والی ہیں۔ تاریخ میں کتنی ایسی قوموں کی مثالیں موجود ہیں جو اپنے سرو سامان اور اپنی ظاہری چمک دمک کے اعتبار سے ان سے کہیں بڑھ کر تھیں لیکن جب انھوں نے خدا سے سرکشی کی تو وہ تباہ کر دی گئیں۔ یہاں صرف ان قوموں کی طرف اشارہ ہے۔ دوسری سورتوں میں ان کی تفصیل موجود ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مَدًّا ۚ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا (۷۵)

سرکشوں کے معاملہ میں سنتِ الٰہی

یہ اس سنتِ الٰہی کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں اور سرکشوں کے معاملہ میں اختیار فرماتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ اپنی دنیوی برتری کے زعم میں جو لوگ تمھارے انذار کا مذاق اڑا رہے ہیں ان سے کہہ دو کہ جو لوگ ہدایت کی راہ اختیار کرنے کے بجائے ضلالت ہی میں پڑے رہنا چاہتے ہیں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ نہیں ہے کہ ان کے عیش و آرام کو چھین لے یا ان کو فوراً عذاب میں پکڑ لے بلکہ اس کی رحمت کی شان یہ ہے کہ ان کو زیادہ سے زیادہ ڈھیل دے تاکہ وہ اپنا پیمانہ اچھی طرح بھر لیں اور خدا کی حجت ان پر تمام ہو جائے۔ خدا کوئی کمزور ہستی نہیں ہے کہ اس کو اندیشہ ہو کہ فوراً نہ پکڑا تو شکار نکل جائے گا۔ اس کی تدبیر نہایت محکم ہوتی ہے اس وجہ سے وہ برابر رسی دراز کیے جاتا ہے۔ یہاں تک کہ یا تو وہ عذاب ہی ان پر آدھمکے گا جو رسول کی تکذیب کا لازمی نتیجہ ہے یا وہ قیامت ہی نمودار ہو جائے گی جس سے ان کو آگاہ کیا جا رہا ہے۔ اس وقت انھیں اچھی طرح اندازہ ہو جائے گا کہ کون اپنے موقف و مقام کے لحاظ سے بدتر اور اپنے لاؤ لشکر کے اعتبار سے ضعیف تر ہے۔

اس آیت میں دو تین باتوں پر نگاہ رکھیے۔

چند قابلِ توجہ باتیں

ایک 'فَلْيَمْدُدْ' کے اسلوب پر۔ یہ نہیں فرمایا کہ 'خدا ان کی رسی دراز کرتا ہے'، بلکہ فرمایا کہ خدائے رحمان کے شایانِ شان بات یہی ہے کہ وہ ان کی رسی دراز کرے، یعنی ظالموں کو ڈھیل خدا کی قدرت، حکمت اور اس کی تدبیر کا مقتضیٰ ہے۔ بدقسمت ہیں وہ لوگ جو اس ڈھیل کو اپنی کامیابی سمجھ کر سرکشی میں اور زیادہ دلیر ہو جائیں۔

دوسری چیز یہ نگاہ میں رکھنے کی ہے کہ یہاں 'عذاب' اور 'ساعت' دو چیزوں کا ذکر ہے۔ جب یہ دونوں لفظ ساتھ ساتھ استعمال ہوں تو ایک سے عذابِ دنیا مراد ہوتا ہے اور دوسرے سے عذابِ قیامت۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے ان دونوں عذابوں سے اپنی اپنی قوموں کو ڈرایا ہے۔ ہم دوسرے مقام میں ذکر کر چکے ہیں کہ اگر کوئی قوم اپنے رسول کی تکذیب کر دیتی ہے تو اتمامِ حجت کے بعد وہ لازماً تباہ کر دی جاتی ہے۔

تیسری یہ کہ تفضیل کے صیغے بسا اوقات تقابل کے مفہوم سے مجرد ہو کر استعمال ہوتے ہیں۔ یہ بات بھی ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں۔

یہ بات بھی یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ دنیوی کامیابیوں کے نشہ میں جس طرح عرب جاہلیت کے حمقاء خدا اور آخرت کی باتوں کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے تھے اسی طرح موجودہ دور میں علم و سائنس کے عقلاء بھی اسی غرّے میں خدا اور آخرت کو ایک واہمہ قرار دیتے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں ایک دوست نے ذکر کیا کہ امریکہ کے لوگوں کے سامنے خدا اور آخرت کا ذکر کیجیے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہماری عمروں کا اوسط تمہاری عمروں سے زیادہ ہے۔ اگر تمہاری بات صحیح ہے تو چاہیے تھا کہ تمہاری عمروں کا اوسط ہم سے زیادہ ہوتا۔ میں نے کہا ان کے ہاں عمروں کا اوسط بھی سب سے زیادہ ہے اور خودکشی کا اوسط بھی سب سے زیادہ ہے۔ ملک الموت کو اب بھی یہ لوگ اپنے ہاں سے بے دخل نہ کر سکے۔ البتہ یہ ہوا کہ ان کا کام ان لوگوں نے خود سنبھال لیا ہے!!

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا (۷۶)

اہلِ ایمان کو بشارت

یہ آیت اوپر کی آیت ۷۵ کے مقابل میں ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ ہدایت پر ضلالت کو ترجیح دینے والوں کی رسی دراز کرتا ہے اسی طرح ہدایت اختیار کرنے والوں کی ہدایت میں بھی، برابر اضافہ پر اضافہ فرماتا ہے۔ اور عاقل کے نزدیک دیکھنے کی چیز یہ نہیں ہوتی کہ کسی کام کا فوری نفع کیا ہے بلکہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ اپنے اجر و ثواب اور اپنے انجام و مآل کار کے اعتبار سے کونسا کام بہتر ہے۔ دنیا کے پرستار صرف نفع عاجل کو دیکھتے ہیں انھیں اس سے بحث نہیں کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا۔ اس کے برعکس بندۂ مومن کی نگاہ مستقبل یعنی آخرت پر ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے ہر کام کا جائزہ مآلِ کار کے پہلو سے لیتا ہے۔ اس آیت میں اہل ایمان کو تسلی دی گئی ہے کہ تم ان ارباب دنیا پر اترانے والوں کے طعنوں کی پروا نہ کرو، تم اگرچہ بے سروسامان ہو، لیکن تمہاری ہدایت میں دم بدم اضافہ ہو رہا ہے اور تمہارا یہ اندوختہ تمہارے لیے ابدی بادشاہی کی ضمانت ہے اور تمہیں طعنہ دینے والوں نے جو سروسامان اکٹھا کر رکھا ہے یا کر رہے ہیں یہ سب ان کے جلانے کے لیے ایندھن کا کام دے گا۔ 'مَرَدًّا' کا ترجمہ میں نے مآلِ کار کیا ہے اور یہ ترجمہ میرے نزدیک لفظ کی اصل روح سے قریب تر ہے۔

'باقیات صالحات' کی تعبیر

قرآن میں اعمال صالحہ کو جگہ جگہ 'باقیات الصّٰلِحٰت' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ درحقیقت وہی اعمال صالحہ ہیں جو پائیدار اور غیر فانی ہیں۔ جو اعمال چند روزہ اور فانی ہیں وہ غیر صالح ہیں۔ رہا یہ سوال کہ باقی اعمال کون ہیں اور فانی کون ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو اعمال صرف دنیا کو مطلوب و مقصود بنا کر کیے جاتے ہیں وہ فانی ہیں اس لیے کہ یہ دنیا خود فانی ہے۔ باقی رہنے والے اعمال صرف وہ ہیں جو خدا اور آخرت کو مقصود بنا کر کیے جائیں اس لیے کہ خدا بھی غیر فانی ہے اور آخرت بھی۔

أَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ

عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (۸۰)

برخود غلط لوگوں کے مغالطہ کی تردید

یہ قرآن نے ان جھٹلانے والوں کے ایک اور مغالطہ کا حوالہ دے کر اس کی تردید فرمائی ہے۔ اس مغالطہ کا ذکر 'اَفَرَءَیْتَ' کے خطاب سے کیا ہے۔ عربی زبان کا ذوق رکھنے والے جانتے ہیں کہ جب اس خطاب سے بات کا آغاز ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے بعد کسی بہت ہی برخود غلط شخص یا کسی نہایت بھونڈی بات کا حوالہ آئے گا۔

یہاں عربیت کے اس اسلوب کو بھی یاد رکھیے جس کا ذکر ہم بعض دوسرے مقامات میں بھی کر چکے ہیں کہ 'اَلَّذِیْ' ضروری نہیں کہ ہر جگہ معرفہ ہی کے لیے آئے۔ بعض اوقات یہ تمثیل کے لیے بھی آتا ہے جس کی نہایت بلیغ مثالیں قرآن مجید میں بھی موجود ہیں[1] اور کلام عرب میں بھی۔ اس صورت میں اس سے کوئی معین شخص مراد نہیں ہوتا بلکہ اس سے مقصود کسی خاص کردار یا کسی خاص ذہنیت کو ممثل و مصوّر کرنا ہوتا ہے۔ یہاں بھی یہ کسی خاص شخص کے لیے نہیں آیا ہے بلکہ یہ ایک خاص گروہ کی ذہنیت کی تصویر ہے۔

فرمایا کہ ذرا اس برخود غلط کو دیکھو جو اس زعم میں مبتلا ہے کہ اگر قیامت بالفرض ہوئی تو وہ وہاں بھی اسی طرح مال و اولاد کا حق دار ٹھہرے گا جس طرح یہاں ہے۔ اس ذہنیت کے لوگ نعمتوں کو اللہ کا عطیہ نہیں سمجھتے بلکہ اپنے استحقاق ذاتی یا اپنی قابلیت کا کرشمہ سمجھتے ہیں اس وجہ سے اس گھمنڈ میں مبتلا رہتے ہیں کہ ریاست و امارت کے وہ پیدائشی حقدار ہیں اس سے ان کو کون محروم کر سکتا ہے! اگر آخرت نامی کوئی شے ہے تو وہ وہاں بھی کوٹھیوں میں عیش کریں گے اور کاروں میں پھریں گے!

تردید بانداز تحقیر

'اَطَّلَعَ الْغَیْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا'۔ چونکہ یہ زعم بالکل احمقانہ اور طفلانہ قسم کا ہے اس وجہ سے اس کا جواب طنز و تحقیر کے انداز میں ہے۔ فرمایا کہ کیا انھوں نے غیب کے پردوں میں جھانک کر ان تمام چیزوں کو دیکھ لیا ہے جو ان کو آخرت میں ملنے والی ہیں یا خدا سے ان کے لیے کوئی گارنٹی لکھوائی ہے! — آخر کس بوتے پر یہ ناز ہے!!

كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ۝ (۷۹-۸۰)

تردید غضب کے لہجہ میں

یہ غضب کے لہجے میں اس زعم باطل کی تردید ہے۔ فرمایا کہ ہم اس کی بکواس کو بھی نوٹ کر رکھیں گے اور اس کی پاداش میں بھی اس کے عذاب میں اضافہ کریں گے۔ یعنی کفر و تکذیب کی جو سزا ملنی ہے وہ تو ملے ہی گی اس میں مزید اضافہ اس مغرورانہ ادعا کے سبب سے بھی ہو جائے گا۔

'وَنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا'۔ یعنی ان تمام چیزوں کے، جن کا یہ مدعی ہے اور جن پر اس کو فخر و ناز ہے، مالک و وارث ہم ہوں گے اور یہ قیامت کے دن ہمارے حضور میں تنہا حاضر ہوگا، نہ اس کے ساتھ اس کا سرو سامان ہوگا، نہ اس کے اعوان و انصار ہوں گے اور نہ اس کے مزعومہ شرکاء و شفعاء ہوں گے۔ اس کو جو

---

[1] ملاحظہ ہو سورۂ نحل کی آیت ۹۲۔

چیزیں بھی ملی تھیں ہماری بخشی ہوئی ملی تھیں: وہ سب ہم واپس لے لیں گے اور یہ جس طرح دنیا میں خالی ہاتھ گیا تھا اسی طرح خالی ہاتھ ہمارے پاس واپس آئے گا۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (۸۱-۸۲)

معبودانِ باطل پر اعتماد

ان مشرکین کا سب سے بڑا سہارا ان کے معبودانِ باطل تھے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ اگر خدا کے ہاں حاضری اور حساب کتاب کا کوئی مرحلہ آیا تو ان کے یہ معبود اپنے زور و اثر سے، ان کو بچا ہی لیں گے۔ خصوصاً فرشتوں کی سفارش پر ان کو بڑا اعتماد تھا۔ ان کو وہ خدا کی چہیتی بیٹیاں گمان کرتے تھے اور اس خیال سے ان کی پوجا کرتے تھے کہ خدا ان کی بات نہیں ٹال سکتا۔ یہ دنیا میں بھی ان کو اپنے باپ سے سفارش کر کے ان کو رزق اور اولاد دلواتی ہیں اور اگر مرنے کے بعد بھی کسی مدد کی احتیاج پیش آئی تو یہ وہاں بھی قوت اور سہارا بنیں گی۔ اسی قوت اور سہارے کو یہاں 'عِزّ' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کے اصل معنی قوت کے ہیں۔

مشرکین کے زعمِ باطل کی تردید

'كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا'۔ یہ ان کے اس زعمِ باطل کی تردید ہے۔ فرمایا کہ ان احمقوں کی یہ آرزو ہرگز پوری نہیں ہوگی بلکہ ان کے یہ معبود قیامت کے دن ان کی اس عبادت کا ان کے منہ پر انکار کریں گے۔ قرآن میں اس بات کی تصریح ہے کہ جب یہ مشرکین قیامت کے دن اپنے معبودوں کی دہائی دیں گے کہ ہم دنیا میں آپ کی پرستش کرتے رہے ہیں تو یہاں ہماری کچھ مدد کیجیے تو وہ جھٹ جواب دیں گے کہ ہمیں کیا خبر کہ کچھ احمق لوگ ہماری پرستش کرتے رہے ہیں۔ ہم نے کب کہا تھا کہ ہماری پرستش کرو، اگر تم نے یہ حماقت کی تو اس کا انجام بھگتو!

'وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا' یعنی یہ تو یہ آرزوئیں لیے بیٹھے ہیں کہ ان کے یہ معبود ان کے لیے قوت اور سہارا بنیں گے لیکن معاملہ ہوگا اس کے بالکل برعکس، وہ الٹے ان پر لعنت بھیجیں گے اور ان کے دشمن بنیں گے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۝ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا (۸۳-۸۴)

عربی میں جب کہیں گے 'اَرْسَلَ الْكَلْبَ عَلَى الصَّيْدِ' تو اس کے معنی ہوں گے کتے کو شکار پر چھوڑ دیا۔ اسی اسلوب پر یہاں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کافروں پر شیاطین کو چھوڑ دیا ہے کہ وہ ان کو دعوتِ حق کے خلاف جتنا اکسا سکتے ہیں اکسا لیں۔ 'اَزَّ يَؤُزُّ' کے معنی برانگیختہ کرنے، بھڑکانے اور اکسانے کے ہیں۔

ایک سنتِ الٰہی

ان کافروں کے ساتھ یہ معاملہ اس سنتِ الٰہی کے مطابق ہوا جس کا ذکر سورۂ زخرف میں ہے کہ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ - ۳۶ (جو خدائے رحمان کی یاددہانی سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں ہم ان پر کوئی شیطان مسلط کر دیتے ہیں، پس وہ ان کا ساتھی بن جاتا ہے)

پیغمبر کو تسکین و تسلی

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسکین و تسلی ہے کہ ان مخالفین کی مخالفت سے

ہراساں اور پریشان نہ ہو اور ان کے بارے میں فیصلہ الٰہی کے ظہور کے لیے جلدی نہ کرو۔ ان کی مخالفت جتنی ہی شدت اختیار کرتی جا رہی ہے یہ اتنے ہی اپنی تباہی سے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کی حق دشمنی کے سبب سے اب ہم نے ان کے اوپر شیاطین کو چھوڑ دیا ہے کہ وہ ان کو جتنا اکسا سکتے ہیں اکسا لیں تاکہ ان پر ساری حجت تمام ہو جائے۔ 'إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا' یعنی اب ان کے فیصلہ کے ظہور میں دیر نہیں ہے۔ ان کا پیمانہ لبریز ہوا چاہتا ہے اور گھڑی کی سوئی اپنے آخری نقطہ پر پہنچ رہی ہے۔ ہم ایک ایک منٹ کو پورے اہتمام کے ساتھ گن رہے ہیں اور وقت پورا ہو جانے کے بعد ایک پل کے لیے بھی ان کو مہلت دینے والے نہیں ہیں۔

یاد ہوگا، اس مجموعۂ آیات کا آغاز حضرت جبریل امین کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تلقین صبر و انتظار سے ہوا تھا۔ وہی مضمون یہ دوسرے انداز سے براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ادا ہوا ہے جس میں مخالفین کے لیے آخری تنبیہ بھی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معاملہ کا جلد فیصلہ ہو جانے کی بشارت بھی۔ 'تَؤُزُّهُمْ أَزًّا' اور 'فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ' کے الفاظ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ یہ آیات اس زمانہ میں نازل ہوئی ہیں جب مخالفین کی مخالفت اپنی آخری حد کو پہنچ چکی تھی۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہر وقت اس کشمکش کے فیصلہ کے لیے انتظار رہنے لگا تھا۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ۝ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ۝ لَّا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا (۸۵-۸۷)

وفد کا مفہوم: 'وَفَدَ وَفْدًا' کے معنی کہیں عزت و اکرام کے ساتھ جانے کے ہیں جس طرح سفیر اور قاصد بادشاہ اور امیر کے پاس جاتے ہیں۔

ورد کا مفہوم: 'وِرْد'، 'وَرَدَ يَرِدُ' سے اسم ہے۔ اس کے معنی گھاٹ پر اترنے کے ہیں جس طرح پیاسے اونٹ گھاٹ پر جاتے ہیں۔

مزعومہ شفاعت کی تردید: 'إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا' میں میرے نزدیک استثناء منقطع ہے۔ یہ ان مجرموں کی مزعومہ شفاعت کی نفی ہے۔ فرمایا کہ جس دن ہم متقیوں کو اعزاز کے ساتھ خدائے رحمان کے پاس لے جائیں گے اور ان مجرموں کو پیاسے اونٹوں کی طرح جہنم کے گھاٹ کی طرف ہانکیں گے۔ اس دن ان کے مزعومہ شفعاء کو شفاعت کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ یہ حق صرف ان لوگوں کو حاصل ہوگا جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا حق حاصل کر رکھا ہے۔

شفاعت سے متعلق چند اصولی باتیں: یہ حق کن لوگوں کو حاصل ہوگا؟ اس سوال پر ہم اس کتاب میں مناسب مواقع پر بحث کرتے آئے ہیں۔ چند اصولی باتوں کی یاددہانی یہاں بھی کیے دیتے ہیں۔

شفاعت کا مقام صرف انبیائے کرام اور شہدائے امت کو حاصل ہوگا۔ یہ ایک منصب تکریم و تشریف ہے جس پر اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو سرفراز فرمائے گا جو اس اکرام و اعزاز کے سزاوار ہوں گے۔

یہ لوگ بھی خدا کی اجازت سے شفاعت کریں گے اور صرف ان لوگوں کے لیے کریں گے جن کے لیے اللہ تعالیٰ اجازت مرحمت فرمائے۔ یہ نہیں ہوگا کہ یہ کسی کی شفاعت کے لیے خود پیش قدمی کریں یا ان لوگوں کے لیے شفاعت کریں جن کے لیے خدا سے ان کو اجازت حاصل نہ ہو۔

یہ اپنی شفاعت میں وہی بات کہیں گے جو بالکل حق ہوگی۔ باطل کو حق یا بدی کو نیکی بنانا نہ ان کے شایان شان ہے نہ خدائے علام الغیوب کے آگے کوئی اس کی جسارت کر سکتا ہے۔

جن لوگوں نے شرک و الحاد کی زندگی گزاری یا ایمان کے تو مدعی رہے لیکن ساری زندگی بطالت اور خدا و رسول کی نافرمانی میں گزاری ان کے لیے کوئی شفاعت نہیں۔

یہ ساری باتیں خود قرآن کے نصوص سے ثابت ہیں۔ ہم نے ان پر جگہ جگہ بحث کی ہے اور آگے بھی انشاءاللہ تفصیل سے ان پر بحث کریں گے۔ ظاہر ہے کہ جب یہ ساری شرطیں شفاعت پر عاید ہیں اور ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا تو شفاعت کے بل پر گناہوں کے لیے لیسنس دینے یا حاصل کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ پھر تو شفاعت کی امید اگر کر سکتے ہیں تو وہ لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے زندگی تو ایمان و عمل صالح اور توبہ و اصلاح کی گزاری لیکن کوتاہی، غفلت یا جذبات سے مغلوب ہو کر نیکیوں کے ساتھ غلطیاں بھی کرتے رہے۔ اس طرح کے لوگ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سزاوار ٹھہریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر بخش دیے جائیں۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے شفاعت کے بل پر گناہوں ہی کو اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے اور یہود کی طرح امیدوار ہیں کہ سَيُغْفَرُ لَنَا ہم امتِ مرحومہ ہیں، ہمارے سارے گناہ بخش دیے جائیں گے تو قرآن کی روشنی میں اس خوش فہمی کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا (۸۸)

'ولد' کا مفہوم

'و ل د' کے معنی اولاد کے ہیں۔ یہ واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے آتا ہے۔ خدا کے لیے اولاد ماننے کے معاملے میں مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ سب یکساں ہیں۔ مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ یہود حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور نصاریٰ نے حضرت مسیح کو جو کچھ بنایا ہے اس کی تفصیل اسی سورہ میں پیچھے گزر چکی ہے۔ اوپر کی آیت میں شفاعت باطل کی تردید فرمائی ہے۔ اب آگے کی چند آیات میں شرک کی اس گھناؤنی قسم کی تردید فرمائی ہے جو درحقیقت شفاعت باطل کے اسی تصور کے تحت وجود پذیر ہوئی جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا۔ ظاہر ہے کہ اگر خدا سے اپنے جرائم کے لیے مفت لیسنس حاصل کرنا ہے تو یہ کام بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ خدا کے لیے کچھ بیٹے بیٹیاں فرض کیے جائیں اور ان کی پوجا کر کے یہ امید رکھی جائے کہ خواہ ہم کچھ کرتے رہیں خدا کے یہ چہیتے اور لاڈلے ہم پر خدا کو ہاتھ نہیں ڈالنے دیں گے۔ چنانچہ اہل عرب نے اسی خواہش کے تحت فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بنایا اور نصاریٰ نے یہ عقیدہ ایجاد کیا کہ خدا نے اپنے محبوب بیٹے کو ہماری خاطر قربان کر کے ہمارے سارے گناہوں کا کفارہ بنا دیا۔

خدا کی اولاد ٹھہرانے کا جرم

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا (۸۹)

'اِدّ' کے معنی ہیں سخت، دہشت اور سنگین بات۔ یہاں اس اسلوب کلام پر بھی نظر رہے کہ بات غائب کے صیغہ سے ہو رہی تھی لیکن جب شدت عتاب و غضب کا موقع آیا تو دفعتًہ صیغہ خطاب کا آگیا۔ یہ وہی اسلوب کلام ہے جس کا ذکر ہم 'وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا' کے تحت کر آئے ہیں۔

فرمایا کہ یہ تم بڑی ہی سنگین بات کے مرتکب ہوئے ہو۔ سنگین اس وجہ سے کہ یہ خدا کی خدائی اور اس کی یکتائی میں دوسرے کو شریک و سہیم بنانا ہے اور خدا غیور ہے اس وجہ سے اس بات کو وہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا کہ کسی کو اس کا کفو اور ہمسر قرار دے کر اس کی یکتائی کو بٹہ لگایا جائے۔ جب بندے، بندے ہو کر، کسی ایسی بات کو گوارا نہیں کرتے جو ان کی غیرت کو چیلنج کرے تو وہ خدائے غیور جو تمام ارض و سما کا تنہا مالک ہے اس بات کو کس طرح گوارا کر سکتا ہے کہ اس کے بندے اس کے سوا کسی اور کی بندگی کریں۔ خدا کی غیرت کی تعبیر کے لیے قدیم صحیفوں میں یہ تمثیل بھی استعمال ہوئی ہے کہ جب تم یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ تمھاری بیوی کسی غیر کی بغل میں سوئے تو خدائے غیور کس طرح گوارا کر سکتا ہے کہ اس کا بندہ کسی اور کو سجدہ کرے۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (۹۰)

'ھَدّ' کے معنی کسی دیوار وغیرہ کے دھماکے کے ساتھ گرنے کے ہیں۔

شرک کی سنگینی کی تعبیر

یہ اسی بات کی سنگینی واضح فرمائی ہے کہ قریب ہے کہ اس کے سبب سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ دھماکے کے ساتھ گر پڑیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس تہمت سے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو بھی ایسی غیرت و حمیت لاحق ہوتی ہے کہ وہ ایک منٹ کے لیے بھی ان نابکاروں کو برداشت کرنا نہیں چاہتے جو خدا کا شریک بناتے ہیں لیکن وہ خدائے رحمان کے حکم کے تابع ہیں اس وجہ سے جب تک وہ کسی گروہ کو مہلت دیتا ہے اس وقت تک وہ بھی اپنے غضب کو ضبط کرتے ہیں۔

ایک بیانِ حقیقت

یہ امر واضح رہے کہ یہ کوئی مبالغہ کا اسلوب بیان نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت کا بیان ہے۔ جب ایک غیور بیٹا اس بات کو گوارا نہیں کر سکتا کہ کوئی اس کو اس کے باپ کے سوا کسی اور باپ کی طرف منسوب کر دے یا اس کے باپ کے ساتھ دوسروں کو بھی اس کا باپ بنا دے تو آسمان و زمین اور دریا اور پہاڑ اس بے ناموسی کو کس طرح برداشت کر سکتے ہیں کہ کوئی ان کو خدائے وحدہ لاشریک لہ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کرے یا ان کی خلقت میں خدا کے سوا دوسروں کو بھی ساجھی مان لے۔ ہم دوسرے مقام میں اس حقیقت کی وضاحت کر چکے ہیں کہ آسمان و زمین، سورج اور چاند سب کی فطرت ابراہیمی ہے۔ وہ اپنے مظاہر سے اس فطرت تکوینی کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی یہ فطرت اس بات سے ابا کرتی ہے کہ وہ ان لوگوں کو برداشت کریں جو خدا کے لیے اولاد ٹھہرائیں لیکن ان کی باگیں خدا کے ہاتھ میں ہیں اس وجہ سے وہ اپنی مرضی سے کوئی اقدام نہیں کر سکتے۔

أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (۹۱)

یہ آسمان و زمین اور پہاڑوں کے غصہ اور غضب کا سبب بیان ہوا ہے کہ ان کی یہ غضبناکی اس سبب سے ہے کہ لوگوں نے خدائے رحمان پر آل و اولاد کی تہمت لگائی۔

وَمَا يَنْۢبَغِىْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا (۹۲)

خدا کے لیے اولاد ماننا اس کی صفاتِ الوہیت کے منافی ہے

یہ خدا کے لیے اولاد ماننے کی ضلالت کی تردید خدا کی صفاتِ الوہیت کے منافی ہونے کے پہلو سے فرمائی کہ آخر اس کو ضرورت کیا پڑی ہے کہ وہ اپنے لیے اولاد بنائے! نہ اس کو اپنے کاموں میں کسی شریک و معاون کی ضرورت ہے نہ اپنی املاک و جائداد کے لیے کسی وارث و والی کی، نہ اپنا نام زندہ رکھنے کے لیے وہ کسی کا محتاج ہے، نہ اسے بڑھاپے کا کوئی سہارا مطلوب ہے۔ وہ اپنی ذات میں غنی اور بے نیاز ہے تو آخر وہ اولاد کس مقصد کے لیے بنائے گا۔

اِنْ كُلُّ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِى الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (۹۳)

خدا کے حضور مخلوقات کی حیثیت

اب یہ اپنی تمام مخلوقات کی اصل حیثیت واضح فرما دی کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں، خواہ فرشتے ہوں یا جن و انس، اور ان کا جو درجہ و مرتبہ بھی ہو، خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، سب بلا استثنا ایک دن خدائے رحمان کے حضور میں اس کے ایک بندے کی حیثیت سے حاضر ہوں گے۔ جہاں تک بندے ہونے کا تعلق ہے اس اعتبار سے سب برابر ہوں گے۔ وہاں نہ کوئی خدا کا بیٹا ہو گا نہ بیٹی۔

لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (۹۴-۹۵)

'اَحْصَاءٌ' کا اصل مفہوم ضبط اور کنٹرول میں رکھنا ہے۔

قیامت کی حاضری کی نوعیت

اب یہ قیامت کے دن ہر ایک کی حاضری کی نوعیت واضح فرما دی کہ سب خدا کے کامل کنٹرول میں ہیں اور ہر ایک کو خدا نے اچھی طرح گن رکھا ہے اس وجہ سے اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے کہ کوئی اس کے قابو سے باہر ہو جائے یا گنتی میں کوئی سہو ہو جائے۔ پھر ہر ایک یکہ و تنہا حاضر ہو گا، نہ اس کے ساتھ اس کے اولاد و احفاد ہوں گے، نہ اعوان و انصار، نہ شرکاء و شفعاء۔ نفسی نفسی کا عالم ہو گا اور سب کو خدا کے آگے اپنے باب میں خود جواب دہی کرنی ہو گی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ (۹۶)

نعمتِ ٹیم کا حال

اب یہ ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو اس کس مپرسی اور نفسی نفسی کی حالت سے محفوظ ہوں گے۔ فرمایا کہ البتہ وہ لوگ جنھوں نے ایمان و عمل صالح کی زندگی گزاری ہو گی ان کے لیے خدائے رحمان ہر طرف مہر و محبت کی فضا پیدا کر دے گا۔ یہاں بات اجمال کے ساتھ ارشاد ہوئی ہے لیکن دوسرے مقامات میں تصریح ہے کہ اس دن اہلِ ایمان کا خیر مقدم فرشتے بھی سلام و تحیت کے ساتھ کریں گے، رب العزت کی طرف سے بھی ان کو بلایا جائے گا اور خود اہلِ ایمان بھی ایک نعمتِ ٹیم کی طرح ایک دوسرے کو مبارک باد دیں گے۔ غرض ہر طرف فضا احسنت و مرحبا کے کلمات سے گونج رہی ہو گی!

صفتِ رحمٰن کی تکرار کی حکمت

اس مجموعۂ آیات بلکہ اس پوری سورہ میں آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ اسمائے حسنٰی میں سے اسم 'رَحْمٰن' بار بار آیا ہے۔ قرآن کی کسی سورہ میں بھی یہ نام اتنی بار نہیں آیا ہے جتنی بار اس سورہ میں آیا ہے۔ میرے استاذ مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ تو اس سورہ کو رحمانی سورہ کہتے بھی تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات بلا کسی حکمت کے نہیں ہے۔ میرے نزدیک اس کی حکمت یہ ہے کہ خدا کی صفات اور بندوں کے ساتھ اس کے معاملات کے باب میں ملتوں کو بیشتر گمراہی خدا کی صفت رحمانیت کے غلط تصور ہی سے پیش آئی ہے۔ اس سورہ میں دوسرے مطالب کے ساتھ رحمانیت کے غلط تصور کی اصلاح کر کے اس کا صحیح تصور بھی دیا گیا ہے اس وجہ سے اسم رحمان کا حوالہ اس میں بار بار آیا ہے۔

رحمانیت کے غلط تصور سے پیدا شدہ گمراہیاں

رحمانیت کے غلط تصور نے جو گمراہیاں پیدا کی ہیں ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔

سورہ میں سب سے پہلے نصاریٰ کا ذکر ہے اس وجہ سے پہلے انہی کی گمراہی کو لیجیے۔ ان کی گمراہی میں بڑا دخل ان کے اس واہمہ کو تھا کہ انسان چونکہ ازلی و ابدی گنہگار ہے، اس کی نجات کی کوئی شکل ہی نہیں ہے۔ اس وجہ سے خدائے رحمان نے اپنی رحمت سے اپنے بیٹے کو بھیجا جو قربان ہو کر اپنے تمام ماننے والوں کے گناہوں کا کفارہ بن گیا۔

یہود کی گمراہی اس سورہ میں اگرچہ براہِ راست زیر بحث نہیں آئی ہے لیکن قرآن سے یہ بات واضح ہے کہ انھوں نے بھی اپنے جرائم کی پردہ پوشی کے لیے خدا کی رحمانیت ہی کی آڑ لی تھی۔ ان کا تصور یہ تھا کہ ہم نبیوں اور ولیوں کی اولاد ہیں اس وجہ سے اول تو ہم دوزخ میں ڈالے ہی نہیں جائیں گے اور اگر ڈالے بھی گئے تو بس چند دن کے بعد کچھ تنبیہ کر کے خدائے رحمان ہم کو بخش دے گا۔

مشرکینِ عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بنا کر ان کی پوجا کرتے تھے۔ ان کا تصوّر یہ تھا کہ اول تو حشر نشر کی باتیں محض خیالی ہیں لیکن اگر ان کے اندر کچھ حقیقت ہے تو خدائے رحمان کی یہ بیٹیاں سفارش کر کے ان کو اپنے باپ سے بخشوا ہی لیں گی۔

رحمانیت کا صحیح تصور

یہ تمام غلط فہمیاں اور گمراہیاں پس منظر میں موجود تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے اپنی رحمانیت کا صحیح تصور واضح فرمایا کہ اس کی رحمت اس کے عدل کو باطل نہیں کرتی بلکہ اس کا عدل بھی اس کی رحمت ہی کا مقتضیٰ ہے۔ وہ متقیوں کو جو بشارت دیتا ہے یہ بھی رحمت ہے اور سرکشوں کو جو انذار کرتا ہے یہ بھی اس کی رحمت ہے۔ وہ اگر ظالموں اور سرکشوں کو اس لیے معاف کر دے کہ وہ بزرگوں اور نبیوں کی اولاد ہیں یا کسی نے ان کی سفارش کی ہے یا وہ اس کے مزعومہ بیٹے سے محبت کرنے والے ہیں تو یہ رحمت نہیں ہوگی بلکہ صریح ظلم ہوگا۔ اور اگر خدا ایسا کرے تو وہ خدائے رحمان نہیں ہوگا بلکہ نعوذ باللہ نہایت ظالم خدا ہوگا۔ وہ رحمان ہے تو اس کی اس رحمت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ حق پرستوں کی دادرسی کرے اور ان کی حق پرستی کا بھرپور صلہ دے اور ظالموں نابہنجاروں کو جہنم میں جھونک دے۔ یہ ظالموں کو جہنم میں جھونک دینا اس کی رحمت و رحمانیت کے منافی نہیں بلکہ یہ عین اس کی رحمت ہی کا ظہور ہے۔ یہ بات بھی یہاں یاد رکھیے کہ جو لوگ خدا کی نافرمانی کرتے ہیں وہ خدا کا کچھ نہیں

بگاڑتے بلکہ بنا اور خدا کے بندوں کا بگاڑتے ہیں۔ خدا کے حدود و قیود اس کے اپنے تحفظ کے لیے نہیں ہیں، وہ ہر تحفظ سے بالاتر ہے، بلکہ یہ خلق کے تحفظ اور اس کی ترقی کے لیے ہیں اس وجہ سے مجرموں کا معاملہ خدا کا کوئی ذاتی معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ اس کی ساری مخلوق کا معاملہ ہے۔ اپنی مخلوق کے ساتھ اس کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کسی مجرم کو سزا دیے بغیر نہ چھوڑے گا ـــــ صفت رحمان کے ان تقاضوں کو سامنے رکھ کر اس سورہ کو غور سے پڑھیے تب یہ حقیقت واضح ہوگی کہ اس میں جو تنبیہات یا بشارتیں وارد ہوئی ہیں سب خدا کی صفت رحمانیت پر مبنی ہیں۔

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا (۹۷)

ضمیر بلا مرجع

'یَسَّرْنٰہُ' میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ اگرچہ مرجع لفظوں میں مذکور نہیں ہے لیکن سورہ میں چونکہ شروع سے یہ بحث چلی آرہی ہے کہ تمام انبیاء کی اصل دعوت یہی رہی ہے جو قرآن دے رہا ہے تو گویا زیر بحث یہاں قرآن ہی ہے۔ اس قسم کے سیاق میں ضمیر بلا مرجع لانا نہ صرف یہ کہ کوئی عیب نہیں ہے بلکہ یہی تقاضائے بلاغت ہے۔ یہ اسلوب مرجع کی شان پر دلیل ہوتا ہے کہ ہر چند وہ مذکور نہیں لیکن بغیر ذکر کے بھی ہر شخص اس کو جانتا ہے۔ قرآن میں اس کی مثالیں عام ہیں۔

تیسیر قرآن کا مفہوم

'تیسیر' کے معنی عام طور پر لوگوں نے آسان بنانا سمجھا ہے اور آیت کے معنی یہ لیے ہیں کہ قرآن نہایت آسان ہے۔ اگرچہ یہ بات بجائے خود صحیح ہے کہ قرآن کو خدا نے آسان بنایا ہے لیکن یہ بات بالکل غلط ہے کہ قرآن کوئی سپاٹ چیز ہے جس کے لیے کسی فکر و کاوش اور تدبر و تفکر کی ضرورت نہیں ہے۔ جن لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے انھوں نے لفظ 'تیسیر' کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا۔ عربی میں اس کا اصلی مفہوم آسان بنانا نہیں بلکہ کسی شے کو اس کے پیش نظر مقصد کے لیے تمام لوازم سے آراستہ کر کے نہایت موزوں اور سازگار بنانا ہے۔ اگر کہیں کہ 'یَسَّرَ الْفَرَسَ لِلرُّکُوْبِ' تو اس کے معنی ہوں گے کہ گھوڑے کو زین، رکاب، لگام سے آراستہ کر کے سواری کے لیے تیار کر دیا۔ اس طرح 'وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ' کے معنی ہوں گے کہ ہم نے قرآن کو تعلیم و تذکیر کے لیے نہایت موزوں، تمام لوازم سے آراستہ اور نہایت سازگار بنایا ہے۔ قرآن کی تیسیر کے مختلف پہلوؤں پر ادب اور قرآن دونوں کی روشنی میں ہم نے اپنی کتاب 'مبادی تدبر قرآن' میں وضاحت سے بحث کی ہے تفصیل کے طالب اس کی مراجعت کریں۔

'قَوْمًا لُّدًّا' سے مراد

'قَوْمًا لُّدًّا' سے مراد قریش ہیں۔ 'لُدّ'، 'اَلَدّ' کی جمع ہے۔ 'اَلَدّ' کے معنی جھگڑالو، ضدی اور ہٹ دھرم کے ہیں۔ اہل عرب اپنی بدویت کے سبب سے اکھڑ بھی تھے اور اپنی امیت کے باعث معاملات دین میں بہت جاہل اور متعصب بھی۔ اسی وجہ سے بات بات پر آنحضرت کے خلاف مورچہ جماتے اور آپ کو زچ کرنے کے لیے نت نئے مطالبات پیش کرتے۔

آنحضرت صلعم کو تسلی اور مخالفین کو انذار

اب یہ آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور مخالفین کو انذار ہے۔ فرمایا کہ اس قرآن کو ہم نے تعلیم و تذکیر اور اتمام حجت کے لیے ہر پہلو سے نہایت موزوں، مدلل اور قائل کرنے والا بنایا ہے۔ پھر یہ تمھاری اور تمھاری قوم کی زبان میں ہے جس کو تم اچھی طرح سمجھ بھی سکتے ہو اور اپنی قوم کو، اگر وہ سمجھنا چاہیں تو، سمجھا بھی سکتے ہو۔ اس کے

ہوتے ہوئے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے متعلق تمہاری ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ تم لوگوں کو اس کا قائل کر دو۔ تمہارا فرض صرف یہ ہے کہ جن کے اندر خوفِ خدا ہے ان کو فوز و فلاح کی خوشخبری سنا دو۔ رہے وہ لوگ جو جھگڑنے کے لیے آستینیں چڑھائے ہوئے ہیں تو ان کو دنیا اور آخرت دونوں کے عذاب سے خبردار کر دو۔ یہی مضمون سورۂ طٰہٰ میں یوں وارد ہوا ہے۔

وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا۔ (طٰہٰ - ۱۱۳)

چنانچہ ہم نے اس کو اتارا عربی قرآن کی صورت میں اور اس میں اپنی وعید گوناگوں پہلوؤں سے بیان کر دی تاکہ وہ خدا کے غضب سے بچیں یا یہ ہو کہ وہ از سرِ نو ان کی یاد کو بیدار کر دے۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ۖ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا (۹۸)

'رِکز' کے معنی آہٹ، سن گن اور کھٹکے کے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ تم اپنا فرض انذار و تبشیر ادا کر دو۔ جو لوگ تمہاری بات نہیں سنیں گے وہ اپنا انجام خود دیکھیں گے۔ تاریخ میں ان کے لیے کافی سامانِ عبرت موجود ہے۔ ان سے پہلے کتنی ہی قومیں ہمارے عذاب کی زد میں آ چکی ہیں تو کیا تم آج ان میں سے کسی کی کہیں بو بھی محسوس کرتے ہو یا ان کی کہیں آہٹ بھی سنتے ہو! اسی طرح یہ بھی تمہاری تکذیب کی پاداش میں بے نام و نشان ہو جائیں گے۔

ان سطروں پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه وصلی اللہ تعالیٰ علی محمد و بارک وسلم۔

لاہور

۲۷ نومبر ۱۹۷۲ء